



جز نام نیک چہن بھان یا
حیف است بر کسی کہ نہ او نیکنام

علاؤ الدین خلجی کے فاتح قدم نہیں معلوم کس مبارک گھری میں گر
رف اوٹھے تھے کہ گوا اسلامی حکومت آثار ہندوستان کے بڑے حصے سے

ہوتے جاتے ہیں لیکن ابھی تک یہاں ایک کڑور سے زیادہ حقوق بادشاہ اس
کے حفظ و حمایت اور اسلامی جھنڈے کے سایہ میں عیش و عشرت سے زندگی بسر کرتے

اس چھوٹے سے خطے کی تاریخ ہندوستان کے سب سے پہلے سے لفظ فتح الی
و بحیب نظر آتا ہے۔ ابتدا سے وسط ہند کے دستور و نظام پر بارون اور متواہد

لئے اس ملک میں خود مختار حکومتوں کے قائم ہونے کی صلاحیت پیدا کر دی تھی
شمالی ہندوستان پر سرداران آریہ کی چڑھائی اور تصرف ہوا تو ایک ضلع دراز

وکن اوکلی دستبرد سے محفوظ رہا۔ مگر جب ان کی حکومت ہاں جب جگہ تو اس طرف توجہ کی
لیکن اس قدر توجہ کا صحیح فیہ نتیجہ ہوا کہ راجپوت راجاؤں نے چند خود مختار حکومتیں جو شمالی ہند

کے کسی اجہ کی دست نگر نہ تھیں قائم ہو گئیں^(۱)۔ اس طرح مسلمانوں نے اپنی مستقل حکومتیں

ہندوستان میں قائم کرنے کے ایک صدی بعد تک کرنا رخ نہیں کیا لیکن علاؤ الدین غلی کی بقیار پر جو صلیکی نے شمالی و شرقی و غربی ہندوستان کی حکومت کو تنگ سمجھ کر اس ملک پر زبردست حملے کئے تو دکن سلطنت دہلی کا ایک صوبہ ہو گیا۔ مگر بعد میں اور رستہ کی دشوار گزار یوں نے پچاس ساٹھ برس ہی میں اس شہنشاہی تعلق کا خاتمہ کر دیا اور سلطان علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی^(۱) نے ایک بردست و مختار سلطنت قائم کی جو ایک سو چار برس تک قائم رہنے کے بعد پانچ آزاد حکومتوں میں تقسیم ہوئی اور چھ سلاطین مغلیہ کی

۱۔ علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی کا اصلی نام حسن اور قوم کا افغان تھا۔ ابتدا میں وہ ایک برہمن گنگوناچی کا غلام یا غلام تھا جو اس کی بہت قدر کرتا تھا اور جس نے اس کی آئندہ عظمت کی نسبت پیش گوئی کی تھی۔ سلطان محمد تغلق کے زمانے میں وہ سپاہی کے درجے سے لشکر کی کے مرتبہ پر پہنچا اور آخر کار محمد تغلق کے جتو نامہ ظلم و ستم کی وجہ سے اس نے ۱۳۲۷ء میں بغاوت کر کے ایک جدید و مختار سلطنت کی بنیاد ڈالی اور اپنے قدیم سرپرست برہمن کی شکر گزاری کے خیال سے افغان "گنگو بہمنی" کو اپنے نام کا جزو بنایا۔ مناسب ہو گا کہ اس مقام پر بغرض آسانی خاطر ان بہمنیہ کے کل بادشاہوں کے نام و سلسلہ جلوس و وفات لکھ دیئے جائیں۔

نام بادشاہ	سنہ جلوس	سنہ وفات
علاؤ الدین حسن گنگو بہمنی -	۱۳۲۷ء	۱۳۵۸ء
حدشاہ اول	۱۳۵۸ء	۱۳۵۹ء
باجہ شاہ	۱۳۵۹ء	۱۳۶۰ء
اودشاہ	۱۳۶۰ء	۱۳۶۱ء

۲۔ پانچ سلطنتیں جن میں سلطنت بہمنیہ تقسیم ہوئی حسب ذیل تھیں۔
 ۱۔ عادل شاہیہ بجاپور (۲) نظام شاہیہ احمد نگر (۳) قطب شاہیہ گکنڈہ (۴) علاؤ شاہیہ برار
 ۵۔ برید شاہیہ بیدر۔

حاصلہ مندی نے یہی حکون کے بعد ان خود مختار سلطنتوں کو خاک میں ملایا تو اس کا صرف یہ نتیجہ ہوا کہ پچاس ساٹھ برس تک شاہانِ ہندی سے ایک ضعیف تعلق باقی رہا اور اس کے بعد پھر وہی قدیمی حالت قائم ہو گئی۔

دکن کی خود مختار سلطنتوں کی تاریخ	دکن کی ان خود مختار حکومتوں کی تاریخ غور سے دیکھی جائے تو بادشاہانِ الہ الغرم کو پہچان کر صرف ایک ایسا شخص (۱) نظر آتا ہے کہ گودہ سلطان وقت
-----------------------------------	---

بقیہ حاشیہ ص (۲)

نام بادشاہ	سنہ جلوس	سنہ وفات
نصرت شاہ اول	۱۳۷۰ء	۱۳۹۷ء
غیاث الدین	۱۳۷۷ء	۱۳۹۷ء
شمس الدین	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
فیروز شاہ	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
احمد شاہ اول	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
علاء الدین ثانی	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
ہمایون شاہ ظالم	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
نظام شاہ	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
محمد شاہ ثانی	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
حمود شاہ ثانی	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
احمد شاہ ثانی	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
علاء الدین ثالث	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
ولی اللہ	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء
کلیم اللہ	۱۳۷۷ء	۱۳۷۷ء

(۱) چونکہ یہ مضمون مختصر ہے اس لئے جا بجا اسناد کے حوالہ کی ضرورت نہیں معلوم ہوتی صرف

نہ تھا لیکن ریگ زمانہ پر او سنے ایسے پایدار نقش پا چھوڑے ہیں آج تک نمودار اور بھولے
 بھٹکوں کو راہ بتا رہے ہیں۔ اس شخص کی ذات بہت سی عمدہ صفات سے متصف تھی
 مجلس شعری میں بیدار مغر شیر۔ میدان جنگ میں خن شتیر جزل۔ علمائے عالم باعمل۔ فقرا
 صوفی صافی نہاد۔ اور دنیا داروں میں ایک کامیاب نیادار تھا۔ یہ شخص صرف کن کی تاریخ
 میں فرد ہے بلکہ تاریخ اسلام میں بھی بہت کم ایسے اشخاص ملتے ہیں جن کی ذات اتنی اعلیٰ
 صفات کا مجموعہ ہو۔ ایسے شخصوں کے نامے اور حالات زندگی آئندہ نسلوں کے لئے
 ایک بیش بہا میراث ہوتے اور پر جوش و خروش کی رگوں میں تازہ خون دوزانے کے لئے
 تازیانہ ہدایت کا کام کرتے ہیں۔ گو اوس کے ہم عصرونے اوسکا نام اور اوسکی خوبئینی یاد قائم
 رکھنے کی کوشش سے غفلت نہیں کی اور اوسکی زندہ مگر خاموش یادگاریں ابھی تک صفحہ ہستی پر موجود ہیں
 لیکن انہی نے میں حکیم مسلمانوں کو اپنے اسلاف کی خوشگوار داستانیں لطف آنے لگا ہے
 افسوس ہو کہ کسی شخص نے خواجہ عماد الدین محمود دگاوان کی سوانح عمری کی طرف توجہ نہیں کی۔

عماد الدین محمود دگاوان کا وزراؤ دکن بلکہ ہند میں وہی مرتبہ ہی

جو وسط ایشیا کے وزیرون میں خواجہ نظام الملک کا ہے۔

یہ حاشیہ صفحہ (۳) اس مقام پر لکھ دیا جاتا ہے کہ یہ مضمون تاریخ فرشتہ اور ماثر برائی - اور
 کرنل میڈ فرٹیلر کی کتاب آرکیٹیکچر آف بجاپور اور گرانٹ ٹوف کی تاریخ مرہٹہ پر زیادہ تر مبنی ہے
 اور جہاں کہیں اور کسی کتاب سے مدد لی گئی ہے اسکا نام لکھ دیا گیا ہے۔

محمود گادوان کا خاندان
اور ابتدائی حالات

خواجہ عماد الدین محمود گادوان کے اجداد شاہان گیلان کے
وزراء میں داخل تھے اور ان میں سے ایک شخص نے

اپنی ذاتی کوششوں اور قابلیت کی بدولت تہشت کی بادشاہی حاصل کی تھی اور یہ تخت
حکومت اس کے خاندان میں چھ سو سال تک چلی آیا۔ اس کے زمانہ تک جس نے اس کا خاتمہ کیا
رہی۔ محمود گادوان قرہ قاوان میں جو علاقہ گیلان میں ہے۔ مطابقت سے مشہور ہے۔

پیدا ہوا اور اسی وجہ سے عرف عام میں گادوان کے لقب سے مشہور ہوا۔ اس کے باپ کا

نام خواجہ محمد تھا اور اس کا چچا خواجہ شمس الدین امیر محمد والی گیلان کا وزیر تھا۔ ابتدائی
عمر میں محمود گادوان نے اپنے رشتہ داروں کی شفقت آمیز نگرانی میں تنہا ہی تعلیم پائی

اور اس میں شک نہیں کہ اس نے ان کے لحاظ سے اس کی تعلیم اعلیٰ درجہ کی ہوئی تھی۔ اور

جب سن شعور کو پہنچا تو کاروبار میں اپنے چچا کو مدد لگا اور رفتہ رفتہ امور سلطنت میں

بہت دخل ہو گیا۔ چند سال کے بعد محمود گادوان مکہ معظمہ چلا گیا اور اس کے دو برس بعد اس کا چچا

خواجہ شمس الدین بھی ہجرت کر کے حجاز کو روانہ ہو گیا اور اپنے بیٹے خواجہ محمد کو اپنا جانشین

مقرر کیا۔ خواجہ محمد کی نا تجربہ کاری کی وجہ سے وہی فتنے و فساد کھڑے ہو گئے جو ایشیائی سلطنتوں

میں ہمیشہ حکومت کی کمزوری کی وجہ سے کھڑے ہو جایا کرتے ہیں۔ یعنی ایک شخص حاجی محمد

قندھاری جو محمود گادوان کی دست گرفتہ تھا سیہ لاری کے درجہ پر پہنچا اور ایک دوسرے شخص

شیخ علی نامی جو اُس کے خاندان کا ترتیب یافتہ تھا وزیر ہو گیا۔ اور دونوں شخص میر محمد پر اس قدر حاوی ہو گئے کہ ان کے مقابلے میں کسی کی نہ چلتی تھی۔ اور ہونے بادشاہ کے مزاج میں دخل ہو کر سب سے پہلے اپنے محسنوں کے خاندان کی تباہی کو اپنے استقلال کا ذریعہ بنا یہ حالت دیکھ کر خوجہ بھاگ کر اپنے باپ کے پاس مکہ معظمہ چلا گیا اور خوجہ محمود گداوان بھی وطن میں جا امن نہ پا کر ترک وطن پر مجبور ہوا۔ اور گوبادشاہان آق و خراسان وزارت کی ترغیب دی لیکن اوسکی عالی ہمتی نے قبول نہ کر کے تجارت کو کسب معاش اور ربح مسکون کی سیر کا ذریعہ بنایا۔ میلان طبعی کی وجہ سے بسکوشوق جستجوئی کمال نے اور بھی پختہ کر دیا تھا دور آن سفر میں جہاں کہیں اوسکا گزبوتا تھا علما و مشائخین کی صحبت سے فائدہ وراونکی ہر کامی لطف اٹھاتا اور کاروبار تجارت کی ترقی دینے میں کوشش کرتا تھا اسطرح اوس نے بہت ملکوں کی اور وہاں کے مختلف رسوم و رواج و افینیت حاصل کی اور چونکہ بچپن سے ہی ہند کے اموال و نصیب حاصل غریبہ۔ امراء دولت مند مشایخ کبار اور سلاطین و العزم کی تعریف سنتا تھا اس لئے جب کاسن چالیس برس سے متجاوز ہوا تو خلیج فارس سے ہندوستان کا ارادہ کیا۔ اور شہرہ میں بندر واپہول میں داخل ہوا۔ سب سے پہلے اوس کے قدم محمد آباد بیدر کی طرف بڑھے جو اوش زمانہ میں شاہان ہمنیہ کا دار السلطنت اور شاہ محمد کرماتی کا مسکن تھا۔ شاہ محمد کرمات کے مشہور

ولی شاہ نعمت اللہ کے پوتے تھے جو اپنے زمانہ میں وسط ایشیاء سے لیکر ہندوستان کی خوش اعتقاد کچی مرکز تھے۔ احمد شاہ ولی بہمنی کو ان کے خاص اعتقاد تھا اور اس لئے گو شاہ نعمت اللہ نے ترک طن قبول نہ کیا مگر ان کی اولاد بادشاہ کی خوش اعتقاد کچی اعلیٰ راتہ کیا۔ یہ سمجھ کر ہند کو اپنا وطن بنا لیا چنانچہ شاہ حبیب اللہ اور ان کے بہائی حبیب اللہ کو بادشاہ کی دامادی کی عزت حاصل ہوئی۔

دکن کی بیرونی اور اندرونی حالت

جس وقت خواجہ عماد الدین محمود گادانے بندر واپس لوٹ کر آئے اور سو وقت ہندوستان کی ایک خاص حالت تھی۔ دہلی میں بودیوں کی حکومت قائم ہو چکی تھی اور گو کہ وہ کل ہندوستان کی سلطنت کے مدعی تھے لیکن ان کی طاقت ضلع شمال و مغرب پنجاب پر محدود تھی۔ جنپور میں سلاطین شرقی آزادی کا بیچارہ تھے مغرب میں اجپوتانہ کے راجہ خود مختاری میں سر تھے۔ گجرات میں آل مظفر کی حکمرانی تھی وسط ہند خاندان فاروقیہ کا خاندان میں اور خانوادہ طحیہ کا مالوہ میں نور تھا اور دکن میں سلاطین بہمنیہ کا تسلط تھا یہ تو اسلامی سلطنتیں تھیں۔ ان کے علاوہ ہندوؤں کی ایک ہی سلطنت سیانگری میں تھی جس کی حکومت ساحل مایا روگوکن پر دیا کرشنا کے جنوبی کنارہ تک پھیلی ہوئی تھی اور ساحل کار و منڈل کی طرف رایان اور یسکران اور اولو العزہ سے حکومت کن کے وعودار غرضکہ ہندوستان کے اس وقت متعدد ٹکڑے اور ہر ٹکڑے میں ایک خود مختار سلطنت تھی جو دوسری سلطنتوں کو اپنا رقیب

اور ترقی کا مزا تم سمجھ کر اون کے استیصال کی فکر میں رہتی تھی۔ سلاطین بہمنیہ کی حالت سب سے
 خطرناک تھی جنوب میں بجاگیر کے راجہ دم نہ لینے دیتے تھے مشرق میں یان کیسہ کی چڑھائی
 رہتی تھی شمال میں سلاطین مالوہ و خاندیس رقابت دیکھتے تھے اور مغرب میں سلاطین گجرات بھی
 دے رہے تھے۔ ملک کی اندرونی حالت یہ تھی کہ دو قوی کروہوں کی رقابت حکومت کو کمزور
 کر رکھا تھا۔ دکن میں ملکی و غیر ملکی کا جھگڑا کچھ نیا نہیں ہے۔ یہاں اصلی باشندے قوم میں
 اور مذہب میں ہندو تھے لیکن جب مسلمانوں کا تسلط ہوا تو اسلامی آبادیاں قائم ہوئیں اور چونکہ
 ہندوؤں ہی مقابلہ رہتا تھا اس لئے عام اسلامی اصول اور تدبیر ملکی کے بموجب اس ناخوشی ضرورت
 ہوئی کہ فوج مسلمان ہو اس لئے ابتدائی قیام حکومت ایران و عرب و حبش و شمالی ہندوستان
 سے سپاہی پیشہ لوگوں کے گروہ کے گروہ تلاش معاش میں چلے آتے تھے۔ یہ لوگ بعد ازاں
 راہ کی وجہ سے ترک وطن پر مجبور ہو کر دکن ہی میں سکونت اختیار کر لیتے تھے جس کا نتیجہ یہ ہوا
 کہ رفتہ رفتہ اونکی اولاد تمام ملک میں پھیل گئی۔ اس نئی آبادی کی تعداد میں نو مسلموں کے
 شمول سے اور بھی ترقی ہوئی مگر ممالک غیر سے جو سلسلہ آمد و رفت کہ قائم ہو گیا تھا وہ منقطع
 نہ ہوا بلکہ خود سلاطین بہمنیہ اون ممالک کی جنگجو قوموں کے لوگوں کو اپنی فوجوں کی درستی
 کی خاطر جس پر نہ صرف اوس پر آشوب زمانہ میں بلکہ ہر زمانہ میں پوری طرح سلطنت
 کی بنیاد ہوتے ہی اعلیٰ مناصب پیکر اس سلسلہ کو ترقی دیتے تھے اس وجہ سے رفتہ رفتہ

درمیب پاریان قائم ہو گئیں۔ بن لوگون کی دو چار پستیں کن مین گز رہی تھیں وہ اپنے آپ
 دکئی اور حال کے آئے ہوؤں کو آفاقی اور غریب الدیار کہنے لگے چونکہ یہ دونوں
 فرقے ایک ہی پیشو کے پیرو ایک ہی شریعت کے پابند اور ایک ہی بادشاہ کے
 مطیع ہوتے تھے اس لئے ابتدا میں ایک عرصہ تک تو کسی قسم کی مخالفت ظاہر نہ ہوئی
 بلکہ آپس میں شیر و شکر کی طرح رہے لیکن احمد شاہ ولی بہمنی کے زمانہ میں سب سے پہلے مخالفت
 کے آثار ظاہر ہوئے۔ احمد شاہ بہمنی کو تخت سلطنت حاصل کرنے میں ایک سال اگر خلف
 حسن بصری نامی نے اپنی خوش تدبیری و دلیری و استعدادی سے بہت مدد دی تھی
 اس لئے جب احمد شاہ نے تخت فیروزہ پر جلوس کیا تو خلف حسن بصری کو ملک التجار
 کا خطاب دیکر اعلیٰ مناصب عطا کئے اور متواتر فتح مندی نے اس کی قدر بادشاہ
 کی نگاہ میں اور بھی بڑھادی۔ ۳۳۷ء میں خلف حسن بصری کو گجراتیوں کے مقابلہ میں
 بندر جہانم میں شکست ہوئی اور اوس شکست کا باعث زیادہ تر یہ بیان کیا گیا کہ امرا
 حبشی و دکئی نے اس کی مدد جیسی کہ چاہئے رشک و حسد کی وجہ سے نہیں کی۔

۳۳۷ء میں نصیر خان والی خاندیس نے دکن پر چڑھائی کی اور لشکر
 برار اوس سے مل گیا۔ سلطان علاؤ الدین نے اس ہم پر ملک التجار خلف حسن بصری کو
 جواب ایک تجربہ کار جنرل تھا بھیجا چاہا لیکن اوس نے بہ ادب تمام عرض کیا کہ غلام کو تعمیل

حکم میں بدترین لیکن غلام کے ساتھ صرف سامنے اسے نکل موافقت میں بھیجے جائیں کسی
 دکنی یا عیشی امیر کو تکلیف نہ دی جائے کیونکہ انہیں کے نفاق کی وجہ سے اٹھ برس پہلے
 جہانگیر میں شکست ہوئی تھی۔ بادشاہ نے امراد گنی سے مشورہ کر کے بدخلف حسن بھری
 کو سات ہزار غریب الدیار سوار دیکر روانہ کیا ملک التجار بجلی کی طرح نصیر خان پر ٹوٹ پڑا
 امراد کو کسی شکستین دیکر اسکی دارالسلطنت برہان پور کو آگ لگا دی اور فتح و نصرت کے
 ساتھ محمد آباد بیدر کو واپس آیا سلطان محمد و الدین اسکی ارقدر عزت افزائی کی کہ اسکی
 استقبال کے لئے خاص اپنے ولیعهد شاہزادہ ہمایون کو مع کل امراء و ارکان دولت شہر کے
 چار کوس باہر پہنچا اور خلعت خاص مع کمر و شمشیر مرصع و چند زنجیر قیل و غیرہ عطا کیا اور اسکی
 ایک رفیق شاہ قلی سلطان کو جس نے گزشتہ مہم میں داد شجاعت دی تھی اپنی دامادی کی
 بوقت بخشی اور حکم دیا کہ آئندہ سے غریب الدیار مجلس و سواری میں بادشاہ کے دست
 اور دکنی و عیشی دست چپ رہا کریں۔ یہ حکم ایسی نخوس گھڑی میں دیا گیا تھا کہ اوٹھان
 سے دکنی و آفاقی میں حکم کھلا مخالفت شروع ہوئی جسکا چند ہی روز میں یہ نتیجہ ہوا کہ ان
 دونوں گروہوں کی آپس کی رقابت کیوجہ سے حکومت کمزور اور ملک میں عجب طرح کی
 بے امنی قائم ہوئی۔ ہر فریق دوسرے فریق کی تباہی کی فکر میں رہنے لگا اور بادشاہ
 کے توانا کا وہ بہتے کسی کوئی فریق غالب آجاتا تھا اور کسی کیساترہ اقبال بلندی پہنچا تھا

سلطان علاؤ الدین بہمنی کو ایک نیک نفس بادشاہ تھا اور ابتداً عہد میں اوس نے
 والی بجائے پریورش کر کے اپنی اولوالعزمی کا ثبوت بھی دیا تھا لیکن جب اس مہم فارغ
 تو اپنے بلجی میدان کے بموجب عیش و عشرت میں محو ہو گیا اور کاروبار سلطنت کو عہدہ اوروں
 کے ہاتھ میں چھوڑ دیا جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ دکنیوں اور آفاقوں کی مخالفت کو بہت
 ہوا اور قسم قسم کی شائشیں کھڑی ہو گئیں۔ آفاقوں کا سرگروہ ملک التجا خلف حسن بصری
 طرہ ازبجا پور اور دکنیوں اور حشیوں کے سرگروہ شیر الملک دکنی اور نظام الملک غوری
 تھے۔ جب لشکر کی گردش سے ملک التجا خلف حسن بصری راس سنگیر کے مقابلے میں
 قتل ہوا تو دکنیوں کو موقع ملا انہوں نے بادشاہ کو ہکا کر آفاقوں کے استیصال کی فکر کی اور
 پانچ چھ ہزار اشخاص کو جن میں کئی ہزار خورد سال بچے بھی تھے بغاوت کے الزام میں قتل اور
 عورتوں کی طرح طرح پرے غتی کی۔ اگرچہ دکنیوں نے ایسا بندوبست کیا تھا کہ آفاقوں کی
 کوئی عضداشت بادشاہ تک پہنچنے پاسے لیکن چند امر اور غیب الیاد جو باقی رہ گئے تھے

۱۱ سلطان علاؤ الدین بہمنی جس کے زمانہ میں محمود گوانکن میں آہستہ آہستہ میں تخت نشین اور شہداء میں
 فوت ہوا۔ علاؤ الدین علم کا بڑا قدر شناس اور امور ریاست سے خوب واقف تھا اوس نے ہر صہیں عدالتیں اور
 شہروں اور دیہات میں پولیس قائم کیا۔ قمار بازی اور شراب خواری کی قطعاً ممانعت کر دی اور مختصر
 سکے بگاڑی کا اس طرح سے استیصال کیا کہ تمام فقروں کو پکڑا کر شہر کی موریوں کے صاف کرنے
 اور سڑکوں پر چھانڈ دینے پر مقرر کیا جس کا یہ نتیجہ ہوا کہ یا تو وہ شہر بدر ہو گئے یا راہ راست پر گئے
 یا بادشاہ رحمت اور بکا متعصب مسلمان تھا۔ بیان تک کہ کسی نصرانی یا ہندو سے بات نہ کرتا اور ہان
 دونوں فرقوں کو قابلِ ملامت خیال نہ کرتا تھا۔ (تاریخ فرشتہ و ماثر برہانی)۔

تین سو ہزار بیون کے ساتھ بہار مرابی و نصیبت کنی کی سطح بادشاہ تک پہنچنے میں کامیاب ہوئے پھر قبادشاہ کی آنکھیں کھلیں اور جو غضب کے اس وقت تک آفاق یون پر نازل تھا وہ کینوں کے سر پر منتقل ہوا اور کئی سرداروں کو قتل اور عام طور پر اس کے وہ کے لوگوں کو اعلیٰ خدمتوں سے معزول کیا گیا اور آفاق یون کی قدر دانی و عزت افزائی ہوئی جس کی وجہ سے ان نون گروہوں کی آپس کی نفرت میں اور بھی ترقی ہوئی مختصر یہ ہے کہ خواجہ عماد الدین محمود گادان ایک نیا تیرا شوبہ نامہ میں دکن میں داخل ہوا۔ سلطان علاؤ الدین علم دوست اور علما و فضلا و شعرا کا قدر دان تھا اس لئے اس کو محمود گادان جیسے جہاں دیدہ عالم و فاضل و متبحر کا شخص کی صحبت میں بہت لطف آیا اور چند ہی روز میں اس سے اس قدر مانوس ہو گیا کہ بہت نیر کر کہنے لگا۔ محمود گادان دکن سے بے وطن پہلے ہی ہو چکا تھا اس لئے جب بہت سے ہمدون کو بیدار میں اعلیٰ مناصب دیکھا اور بادشاہ کو مہربان پایا تو چند ہی روز میں دکن کو اپنا وطن سمجھنے لگا۔

محمود گادان کا طبقہ امراء میں داخل ہونا معلوم ہوتا ہے کہ محمود گادان اپنی انشدائی اور کاروانی چند روز میں بادشاہ کا اہل قدر معتد علیہ بن گیا کہ جب سلطان ابن اس کے بہنوی جلال خان نے علم مخالفت بلند اور صوبہ تلنگانہ پر قبضہ کر کے محمود شاہ علی علی الوہ کو دالی خاندیس کی مدد دکن پر چڑھائی کرنے پر ترغیب سے آمادہ کیا کہ بادشاہ دکن کا انتقال ہو چکا ہو امراء خود غرضی سے اس خبر کو چھپا ہو میں نے دقت میں بلکہ آسانی سے ہاتھ جالیگا تو سلطان علاؤ الدین خواجہ محمود گادان کو منصب اعلیٰ کی طرف اشارہ کیا

ہلال خان کے مقابلے کے لئے روانہ کیا اور قاسم بیگ صف بک کو والی خاندان کے مقابلے میں
 میجر خوجہ محمود شاہ علی کی طرف بڑھا۔ محمود علی تو اس امید سے آیا تھا کہ شاہ کون فٹ چکا ہے جس
 بلکہ کہ وہ زندہ ہے اور اس کے مقابلے کے لئے مستعدی بڑھا چلا آتا ہے تو راتوں رات اپنے
 و چلا گیا۔ خواجہ محمود گادوان فن پہلگری سے واقف تھا مگر اس زمانہ کا طرز تعلیم کچھ ایسا تھا کہ ایک
 تعلیم یافتہ شخص ضرورت کے وقت ہر کام ایسی عمدگی سے انجام دیتا تھا کہ گویا اس کی تمام عمر اس کی
 سیکھنے میں صرف ہوئی ہے۔ چنانچہ خواجہ محمود گادوان بھی حکم ملتے ہی کاروبار تجارت کو چھوڑ کر
 ایک کارآمد و جنرل کی طرح تلنگانہ کی طرف بڑھا اور بہت آسانی سے ہلال خان کے مستقر قلعہ
 کا محاصرہ کر لیا۔ دوران محاصرہ میں ہلال خان کا بیٹا سکند خان محمود شاہ علی کے واسطے چلے جاتے
 مایوس ہو کر دوسرا فوج کے ساتھ کئی برس سے قلعہ تلنگانہ میں داخل ہو گیا۔ خواجہ محمود گادوان دیکھ کر سمجھا کہ
 اس کی مراد برائی اور چند ہی زمین محصور کر کے اس کو تنگ کیا کہ ہلال خان اپنے امان طلب کی اور قلعہ حوالہ کر کے شاہ
 کی خدمت میں حاضر ہو گیا جس نے خواجہ محمود گادوان کی سفارش پر قلعہ تلنگانہ اس کو جاگیر میں دیا۔

عہد ہایون شاہ بہمنی اس کے دو برس بعد سلطان علاؤ الدین اسی ملک بقا ہوا مگر اپنے
 ولیعہد شاہزادہ ہایون کو وصیت کر گیا کہ خواجہ محمود گادوان کی قدر دانی کرے چنانچہ اس نے

(۱) ہایون شاہ اپنے باپ کی جگہ شہنشاہ میں اپنے چوتھے بیٹے حسن خان کی بنادت کو فرد کرنے کے بعد تخت نشین
 ہوا اور شہنشاہ میں فوت ہوا۔ اس نے اپنے بیٹے حسن خان اور اس کے علاوہ دارم و اس قدر علم
 کیا کہ "ظلم کا نسب پایا اور اس محاط سے خاندان بہمنیہ میں اپنے آپ ہی نظیر ہوا۔ (تاریخ فرشتہ)

تحت فیروزہ پر قدم رکھتے ہی منہ دکاوا ان کو خطاب ملک تجارتی بھٹا کر کے دیا شاہی امر
 طرفدار بجا پور مقرر کیا۔ جب سکندر خان لدیال خان نے بغاوت کی تو ملک انعام محمد گادوان
 بھی بسرگردی جمعیت بجا پور شریک جنگ ہوا۔ اور سکندر خان کے مارے جانے کے بعد
 اوسنے نوابہ جہان ترک کی مدد سے قلعہ لنگنڈہ ایک ہفتہ کے غاصرہ میں فتح کیا سکندر خان
 کی بغاوت سے صوبہ لنگنڈہ میں ایک فساد برپا ہو گیا تھا اس لئے ملک التجار محمود گادوان
 ہمایون شاہ کے تمام عہد میں اس صوبہ میں لڑتا رہا اور خدا اوسکو اوس ظلم و ستم کے دیکھنے سے
 محفوظ رکھا جو ہمایون شاہ نے اپنے بہائی حسیں جان اور اوسکے علاقہ داران پر چکی تھا اوس
 کے قریب تھی کیا کہ جسکی وجہ سے اوسکو ظالم کا لقب ملا اور ابدال آبادک اوسکی یاد پر دوسرے
 ۳۶۱ء میں عیا دکن کو ہمایون شاہ کے ظلم سے نجات ملی اور اوسکے خورد سال بیٹے نظام شاہ
 کو شاہ محب اللہ اور سید شریف نے جو سادات عظام تھے تینماؤتیر کاراست پیچ کر کرختیو نہ چوہہ گر گیا
 نظام شاہ کی عمر اوسوقت آٹھ سال کی تھی اوس کی مان جو مبارک خان
 ابن فیروز شاہ بہمنی کی بیٹی تھی نہایت ہوشیار و عاقل عورت تھی اوسنے
 ہمایون شاہ کی وصیت کے بموجب جہان ترک کو وکیل شاہی اور طرفدار لنگنڈہ اور
 ملک التجار محمود گادوان کو بکلمہ الملک و وزیر کل و طرفدار بجا پور مقرر کیا۔ اور ان دنوں کے
 ۱۱۱۱ء نظام شاہ ہمایون شاہ کا بیٹا اوسکی جگہ پر لکھنویں مہال کی عمر میں تخت نشین ہوا جس حال میں تغیر تباہی
 بزم شاہی و ادوی میں تخت کی رات کو لکھنویں میں فوت ہوا۔ (تاریخ مرہٹہ)

شور سے کاروبار سلطنت کو انجام دینے لگے۔ ہر روز بیچ کی قیمت نواب جہان ترکانہ
 لکھا اتجار نمود گاوان حاضر ہوتے تھے اور تمام امور سلطنت کو ایک عورت ماہ بانو کے
 زیرِ سر سے طے کر لیتے بعد نظام شاہ کو تخت فیروزہ پر بٹھا کر خواجہ جہان سید سے ہاتھ کیٹ
 اور ملک اتجار بائیں ہاتھ کیٹ کر اٹھاتا تھا اور تمام کاموں کو عدد گنت انجام دیتے تھے۔

نظام شاہ کی والدہ جس کا اصلی نام زرگس بی تھا مگر جو سلطانین جہنم کی اصطلاح
 کے بموجب تاریخ میں ملکہ خندومہ جہان کے لقب سے یاد کی جاتی ہے ایک غیبِ غریبیت
 کی عورت تھی اور اس کے کارنامے اون یورپین مصنفوں کا جواب میں مسلمانوں پر الزام لگانے
 ہیں کہ عورتوں کو غلامی کا خوگر بنا کر اون کے دماغ کو تباہ کرتے ہیں۔ وہ نہایت
 اور تیز ہوش تھی اور معاملات ملکی کو ایسا سمجھتی تھی کہ بہت کم لوگ سمجھتے ہوں گے۔ اس کا عزم
 راسخ اور حوصلہ بلند تھا۔ زرگس بی عورتوں کو کن میں بلجایا نہایت ریاست کے اسی طرح
 برآوردہ ہے جس طرح کہ چاند بی جرات و استقلال میں ہے مگر افسوس ہو کہ گواہوں کا بیان
 مقبرہ اس کی عظمتِ ثانی کے یاد دلانے کے لئے ابھی تک شہرِ بیدر میں موجود ہی مگر اس
 کے کارنامے اہل دکن کے لوحِ دل سے محو ہو گئے ہیں۔

راسے اور لیسہ کی چڑائی جب گرد و تواج کے بادشاہوں کو معلوم ہوا کہ ایک خیر و سالِ نجات
 سلطنت پر متکثر ہے تو ہر شخص نے نظر طبع کو دراز کیا مگر سب راسے اور لیسہ نے ہتھیاری کی

جب یہ خبر محمد آباد بیدرین پہنچی تو ملکہ خندوہ جہان نے ملک التجار محمود گادان اور
خواجه جہان ترک کے مشورے سے چالیس ہزار فوج جمع کر کے نظام شاہ کو اس کے مقابلے
میں بھیجا اور اس نے اسے اور لیہ کو شکست دی اور خواجه جہان اسے اور لیہ کا اتنا قبضے کے
اس قدر مجبور کیا کہ آخر کار اس نے ملک التجار محمود گادان کے پاس قید بھیجے اور بہت کچھ
نامہ و پیام کے بعد پانچ لاکھ تین دیکر صلح کی اور اپنے ملک کا راستہ لیا۔

محمد شاہ غلی کی چڑائی
اور اہل دکن کی شکست
ابھی اس بلا سے نجات نہ ہوئی تھی کہ محمود شاہ غلی والی مالوہ سے
فوج کشی کی اور خواجه جہان اور ملک التجار فوج ملنگانہ کو اسے اور لیہ
کے مقابلے کے لئے چھوڑ کر لشکر بجا پور و دولت آباد و برار کو ہمراہ رکاب نظام شاہ لیکر او
سے مقابلے کے لئے روانہ اور قلعہ قندھار کے نزدیک چار ہوسے (۲) محمود شاہ غلی ایک تجربہ کاخبر
ہوا دے اپنا کیمپ ایک نہایت حکم مقام میں قائم کر کے بنظر احتیاط اس کے گرد ایک گہری
خندق کھدوا دی تھی۔ نظام شاہ اگرچہ خورد سال تھا مگر دشمن کی فوج کو دیکھ کر ایسا جوش میں آیا کہ تڑکھ
کر میں بازو اور تلوار پر تلے دین میں داخل کر کے نہایت جستی دچالاک سے صفوں جنگ کی آہستگی میں
مصرف ہوا۔ ملک التجار محمود گادان کو دس ہزار سوار اور چالیس ہزار پیادہ کے ساتھ میمنہ میں

(۱) محمود شاہ غلی تخت مالوہ پر شکست خورد اور اتریں پرس مکران ریکر شکست خورد میں فوت ہوا۔ وہ تھا
عادل و منف مزاج اور بڑا ادا العزم بادشاہ تھا۔ اس کی تمام عمر ملک گیری کی چڑائی کرتے میں صرف
ہوئی۔ اسلام کا سچا پیرو اور دلاور تھا۔ (تاریخ فرشتہ)
(۲) اس لڑائی کی کیفیت تاریخ فرشتہ اور مآثر برہانی سے لی گئی ہے۔

ہدی اور نظام الملک کے کو اسی قدر فوج کے ساتھ میسرہ میں مقرر کیا اور خود خواجہ جان
 رسکند خان کے ساتھ جو اوس کا کاتھا گیا رہ ہزار سوار اور ایک سو بھیر قیل کے ساتھ قتل
 ہوا۔ دوسری طرف محمود خلجی نے اپنے بیٹے سلطان غیاث الدین کو مہمنہ میں قائم کیا اور میسرہ کو
 تبا خان حاکم چندری اور ظہیر الملک کے سپرد کیا اور بذاتِ فوج خاصہ کے ساتھ قیل کو ستم کیا
 و نون جین صف بستہ نقارہ جنگ کی دل ہلاؤ والی صدا کی منتظر ایک سری کی مقابل کھڑی تھیں
 ملک التجار شیر برہنہ ہاتھ میں لئے ہوئے لشکر بجا پور کے ساتھ محمود خلجی کی میسرہ پر حملہ
 وا۔ اگرچہ تبا خان اور ظہیر الملک نے ابتدا میں جرأت سے مقابلہ کیا مگر جب زیادہ سختی ہوئی
 و حملہ کی تاب نہ لا کر بے تحاشا پیچھے ہٹے اور بھاہی گئے مارے گئے۔ یہ حالت دیکھ کر نظام الملک
 سے بھی نہ رہا گیا اوسنے تبا خان کو لفرہ ”اللہ اکبر“ لگایا اور سلطان غیاث الدین پر جا پڑا۔
 پھر کیا تھا خوب جنگ جمل ہونے لگی۔ سلطان غیاث الدین ایک مشہور بہادر تھا جو اکثر لڑا
 میں ناموری حاصل کر چکا تھا اتفاق سے عین ہنگامہ کارزار میں نظام الملک کے سے دو چار ہو گیا
 و درود دونوں بلا سکے کہ ایک سرے کو پہچانیں آپس میں لڑنے اور گزرا ورتوار میں چلا گئے
 نظام الملک کی توار ایسی موقع پڑی کہ پہل قبضے سے جدا ہو کر زمین گر اگر وہ منہا ہوا سپاہی اوسنے
 قبضے ہی چمک کر سلطان غیاث الدین کے منہ پر مارا جو ٹھیک اسکی آنکھ پر اس سے لگا کہ خون بہنے لگا۔
 نظام الملک نے دشمن کو جو اس دیکھ کر گھوڑے سے گرا دیا اور اس فکر میں کہ اپنے رہوار سے اوس کا تمام

کر دے کہ اتنے میں محمود خلجی کی فوج کے چند سپاہی آگئے اور اپنے شاہراہ کو ایسی ہی حالت
 دیکھا اور ٹھاکر خیمہ گاہ کی طرف سر اسیمہ بہاگے۔ دکنیوں نے تعاقب کیا اور فرو گاہ میں پہنچ کر
 ہال اسباب ٹا اور چاہیں ہاتھی گرفتار کئے۔ محمود خلجی اپنی فوج کے دو دستوں کے اس طرح منتشر ہو جانے
 سے بہت ہراسان ہوا اور قریب تیار کر بازگشت کا حکم دے کہ اس کے ایک صاحب نے اس کو روکا
 اور استقلال سے کام لینے کا مشورہ دیا۔ ملک التجار اور نظام الملک کی کار گزار یونکو دیکھ کر نظام
 کی رگ حشمت نے جنبش کی اور اوس نے چاہا کہ خود بھی فوج خاصہ کے ساتھ محمود شاہ علی پر حملہ آور ہو کہ اتنے
 میں خواجہ جہان ترک دس ہزار سواروں اور چند مشہور ہاتھیوں کے ساتھ آگے بڑھا محمود شاہ نے
 بارہ ہزار سواروں کے ساتھ اوس کا مقابلہ کیا اور چونکہ خود بھی رازم و دہشتہ تھا اوس نے اس قوی ستہ کو موج
 طوفانی کی طرح اپنی طرف بڑھتے ہوئے دیکھ کر کان اٹھائی اور سکندر خان غلام کے ہاتھی کی پیشانی پر
 جو نظام شاہ کے نزدیک کھڑا تھا ایسا تیر مارا کہ وہ غصے میں آکر دیوانہ دار اور ہراساں ہو کر دوڑنے
 لگا جس سے فوج دکن کو بہت صدمہ پہونچا اور قریب تھا کہ خود نظام شاہ کو بھی ضرر پہونچ کر سکندر خان
 یا تو بے عقلی سے یا خواجہ جہان ترک کی دشمنی سے اپنی فوج کو حملہ کا حکم نہ دیا اور وہ سخت غلطی کی کہ
 جسکی وجہ سے سیکڑو کا میاب ایسا شکست سے تبدیل ہو گئی بین بینی نظام شاہ کو اپنے ہمراہ لیکر میدان جنگ سے
 نکل گیا۔ جب فتح دکن نے میدان جنگ کو اعلام شاہی خالی پایا تو بدول ہو کر جنگ سے ہٹا روکا۔ اور خواجہ
 نے بھی دیکھ کر افواج میں مدد میسر نہ ہوئے جس کے تعاقب میں منتشر ہو چکی ہیں اعلام چتر شاہی جس نے فوج کی ہمت

ہا ہوئی تھی نظر سے غائب ہیں۔ میدان جنگ میں ٹھہرنا طاقت سچا اور نہایت ہوشیاری
 ، اس پھیل شاہی کو سلامت لکڑ محمد آباد بیدر کی راہ لی۔ ملک التجار محمود گاو ان اور دوسرے
 اور کئی وحشی کو بھی قسمت کو مخالف دیکھ کر فرار کو ذریعہ امن سمجھنا پڑا۔ جب نہایت خوردہ فوج بہار
 بی محمد آباد بیدر میں پہنچی تو وہاں بھی صورت امن نہ دیکھ کر ملکہ خند و مدہ جہان ملک التجار محمود گاو
 ہمشورہ خزانہ شاہی، عورت حرم اور نظام شاہ کو لیکر فیروز آباد چلی گئی اور قلعہ ارک کو تو خود کئی کئی
 اس کامیابی نے محمود شاہ علی کے لئے راستہ صاف کر دیا چند ہی روز میں فتح کے
 چم اور اتا ہوا محمد آباد بیدر میں داخل ہوا اور تھوڑے عرصہ میں ملک بڑا رو بیرو دولت آباد پر قبضہ
 تصرف ہو گیا۔ ملک التجار محمود گاو ان بھی غافل نہ تھا اس وقت تک قرب جوار کی سلطنتوں اور
 وکی آپس کی رقابت سے بخوبی واقف ہو چکا تھا اس لئے اس نے ملکہ خند و مدہ جہان کی اجازت سے
 نظام شاہ کی طرف سے ایک خط سلطان محمود شاہ والی گجرات کو بطلب دیکھا جس کا اثر محمود شاہ گجراتی
 کے دل پر یہ ہوا کہ وہ خود فوراً انسی ہزار سوار ہمراہ لیکر سرحد کن کی
 محمود شاہ گجراتی کی مدد سے
 محمود شاہ علی کا دکن سے نکالنا

۱۔ محمود شاہ گجرات کا بادشاہ تھا وہ چودہ سال کی عمر میں ۱۵۵۷ء میں تخت نشین اور ۱۵۷۷ء میں فوت ہوا ایک
 بہت تیز فہم ہوشیار اور ابلو العزم بادشاہ تھا اور چکا مسلمان تھا۔ یہ عجیب اتفاق ہے کہ اس زمانہ میں تین
 و شاہوں کا نام محمود شاہ تھا یعنی محمود شاہ شرقی والی جون پور محمود شاہ علی والی مالوہ اور محمود شاہ گجراتی والی
 جرات۔ اور اتفاق سے گو والی دکن کا نام محمود شاہ نہ تھا مگر مختار کل کا نام محمود تھا۔ اور یہ چاروں
 ارا العزم شخص اپنے حسن اطلاق کے لحاظ سے اسم باہمی ہی تھے۔ (تاریخ فرشتہ)

طرف بڑھا۔ ملکہ محمودہ جہان نے پہلے ہی سے یہ کیا تھا کہ چھ فوج جمع کر کے خواجہ جہان کو محمود شاہ خلجی کے مقابلے کیلئے بھیج دیا تھا اور جب سلطان محمود شاہ گجراتی کے انکی خیر سنی تو ملک التجار محمود گادان کو سپہ سالار مقرر کر کے پانچ چہ ہزار سوار کے ہمراہ استقبال کیلئے بیرک کی راہ روانہ کیا اور اس نے بیس ہزار سوار ملک التجار کے حوالہ کئے۔ ملک التجار نے اس بائیں آدمی دور کر کچھ اور فوج بھی جمع کر لی اور چالیس ہزار سواروں کے ساتھ محمد آباد سید کھٹیف بڑھا جہان بھی کھٹیف خلجی قلعہ ارک کی تسخیر کرنے کی تدبیریں کر رہا تھا۔ جب محمود خلجی کو ملک التجار گادان کے اتنی کثیر فوج کے ساتھ نہ آباد سید کھٹیف بڑھنے کی خبر معلوم ہوئی تو وہ مقابلہ کو خطرہ خالی نہ سمجھ کر بلا توقف اپنے ملک کی طرف روانہ ہو گیا۔ مگر ملک التجار اسے کہاں جانے دیتا تھا ہر طرف اس کا تعاقب کیا اور اس قدر تنگ کیا کہ اس کو ایچچو رو اکلکوٹ کے دشوار گزار راستے سے بہا گنا پڑا گو کہ اٹنارہ زمین ارون سپاہی ہوں ایمپاس کی شدت سے فوت ہو۔ اس نایاب کامیابی کے بعد نظام شاہ کھٹیف سے محمود شاہ گجراتی کو شکریہ کا خط لکھا گیا اور بہت سے تحفہ تحایف بھیجے گئے جن میں قیمتی ہاتھی اور گہوڑے بھی تھے جس کے بعد محمود شاہ گجراتی اپنی سچی بھدر دی کا نمایان ثبوت دیکر اپنی دار السلطنت احمد آباد کو واپس آیا۔

محمود شاہ خلجی ملک التجار محمود گادان پر ایسا خار کہا سے ہوتا کہ اپنی شکستہ حالت کے درست کرنے کے بعد مین توڑے ہزار سوار کے ساتھ ملک کن پر حملہ آور ہوا مگر پہلے ہی قلعے کا احادہ ہوا ملک التجار کی تحریک محمود شاہ گجراتی مدد کے لئے آ موجود ہوا۔ اور محمود شاہ خلجی کو ناکام گوندواڑہ کی راہ اپنے

مک کو بلا جنگ و جدال اپس ہونا پڑا۔ اس کے بعد مکہ مخدومہ جہان نظام شاہ کی شاد گلی بہت
 جھوم و دھام سے بندوبست کیا مگر خدا کی قدرت کہ بزم شادی مجلسِ غم سے تبدیل ہو گیا اور عین
 تخت کی رات کو نظام شاہ نے عالم فانی سے ملک طرب و دانی کا راستہ لیا۔

نظام شاہ کے بعد اوس کا بیٹا محمد شاہ تخت فیروزہ پر جلوہ گر ہوا جس کی عمر
 اوس وقت صرف نو برس کی تھی کونسل آف ایجنسی سپر کورنگی ملک مخدومہ جہان

محمد شاہ کی تخت نشینی اور
 نواب جہان ترک کا قتل

حسب سابق قائم ہوئی مگر خواجہ جہان ترک بے اندازہ قوت ہاتھ میں دیکھ کر آپے سے باہر ہو گیا امر
 قدیم کی جاگیریں چھین کر اپنی حکومت کے استقلال کی خاطر امر جدید کو دینے لگا اور خزانہ عامہ کٹانے
 دست تصرف سے محفوظ نہ رہا۔ ملک التجار محمود گلاوان کو ایک منہ دار السلطنت میں ٹھہرنے نہ دیتا

ہمیشہ فوجوں کے ساتھ سرحد پر ہتھیار ہتھاتا۔ تخت کا یہ عالم تھا کہ بڑے بڑے حقیقت سمجھتا تھا۔

ملکہ مخدومہ جہان محمد شاہ غلجی کے واقعہ کی وقت سے ہی اوس سے بدل تھی تے اور بھی خیر ہو گئی

غلیہ بہہ ہوا کہ اس الو العزم عورت نے دل میں ٹھکان لیا کہ خواجہ جہان کا وجود سلطنت کے حق میں مضر ہو۔ آخر کار

میں اوس نے اپنے بیٹے محمد شاہ کو اوس کے قتل پر آمادہ کیا ایک روز خواجہ جہان کے حسب معمول دربار میں آیا مگر کیا

دیکھتا ہے کہ اوس روز نظام الملک ایک کثیر فوج لئے دیوان خانہ میں موجود ہے اگرچہ اس سے کچھ متفکر ہوا مگر اس کے

(۱) سلطان محمد شاہ بہرے سالکی اپنے بیٹا نظام شاہ کی جگہ ۱۰۶۷ھ میں تخت نشین ہوا۔ اوس کے زمانہ میں سلطنت

سب سے زیادہ وسعت حاصل ہوئی مگر اوس کے اخیر زمانہ میں تمام سرداروں نے خود سری و خود مختاری اختیار
 کی ۱۰۷۲ھ میں فوست ہوا (تاریخ فرشتہ)

چارہ نہ تھا کہ محمد شاہ کی خدمت میں حاضر ہو کر آدابِ محرابِ بالا غرضکودہ معمولی کاروبار میں مشغول ہی تھا کہ اتنے میں عورتیں محل سے برآمد ہوئیں اور انہوں نے محمد شاہ سے سختی طرب کر باوازی بلند کہا کہ جو قرار دہوئی ہے اسکو پورا کیا جائے یہ سنتے ہی شاہ نے نظام الملک ترک سے مخاطب ہو کر ارشاد فرمایا کہ ”اس شخص کو فوراً قتل کر ڈال“ نظام الملک کو حکم ہی کا منظر تھا فوراً خواجہ جہان کی گاتھ بکڑ کر دربار کے باہر لے گیا اور تو اغلا سیٹھا لکرا پیڑی ہاتھ اسکا کام محمد گادان کا بیج خواجہ جہان کے قتل کے بعد ملک التجار محمود گادان کے سوا کوئی شخص ایسا

باقی رہا جو مہات سلطنت کے باوجود انجام دے سکے اس لئے اسکو خلعتِ خاص و خطابِ اجہ جہان و منصبِ امیرالامرائی و کالتِ امور شاہی عطا ہوا اور مراتبِ نبوی میں اسکا پایہ سب سے اعلیٰ ہو گیا

اس وقت خواجہ جہان محمود گادان فرامینِ شاہی میں اس طرح مخاطب کیا جاتا تھا ”مخدوم جہانیاں درگاہ سلطان آصف جم نشان امیرالامرا ملک نائب مخدوم خواجہ جہان“۔

محبت کی شادی اسی سال ملکہ مخدومہ جہان نے خواجہ جہان محمود گادان کی مدد سے اپنے دل کی آخری ہوس کو بھی نہایت ہی تزک و احتشام سے انجام دیا یعنی اپنے تختِ جگر محمد شاہ کی شادی نہایت ہی دہوم و دہام سے دودمانِ بہمنیہ کی ایک لڑکی سے کی اور چونکہ محمد شاہ کو یہ یونچل گیا تھا اس لئے خود گوشہ گیری اختیار کر کے مہات سلطنت کو اس کے سپرد کیا۔ اگرچہ محمد شاہ کا کوئی کام ایسا نہیں ہے جس میں خواجہ جہان محمود گادان کی شرکت ہو مگر اس مقام پر منظر

اختصار صرف اون واقعات کا ذکر کیا جائے گا جسے براہ راست خواجہ جہان کو تعلق تھا

ہم کو کن دفعہ گوا ۱۷۶۹ء میں خواجہ جہان محمود گادوان نہایت شان شوکت لشکر بجا لیا

ذخیرہ جانگنہ و کلہر و دابھول و جیول باہن وغیرہ کو ہمراہ لیکر فتح گوکن کی طرف متوجہ ہوا

راے سکندر ایک بہت فیشن راجہ اور بحری ڈاکو دن کا سرگروہ تھا اس کے زیر حکومت میں

جنگی کشتیوں کا ایک بیڑا تھا اور فوج کی تعداد بھی کچھ کم نہ تھی۔ جب اس کو خواجہ جہان محمود گادوان

کے ارادے سے اطلاع ہوئی تو اس نے گھاٹ کی راہوں کو مسدود کر دیا۔ محمود گادوان اب تو

ایک نہما ہوا جنرل تھا اس نے اس مسدودی راہ کی پرواہ نہ کی اور اطمینان خاطر ہو کر

میں قیام کیا اور آہستہ آہستہ تھوڑے عرصہ میں گھاٹ کو ہنود کے تصرف سے نکال لیا۔ جب

پہاڑی رستوں کی دشوار گذاری دیکھ کر سمجھا کہ سواروں کا کام نہیں ہے، تو جو لشکر کے ساتھ لایا

اس کو واپس کیا اور اون کی بجائے سعید خان گیلانی کو لشکر خیر کے ساتھ اور اپنے غلام خورشید

کو لشکر دابھول و کلہر کے ساتھ طلب کیا اور چند ہی روز میں پیادوں کی کثیر فوج جمع کر لی

قلعہ کہنہ کے نزدیک گینا جنگل تھا جس سے فوج کی راہ مسدود ہو گئی تھی اس لئے اس کو حکم

خاک سیاہ کیا اور قلعہ کا محاصرہ کیا جس کو ابھی پانچ گھنٹے گزے تھے کہ موسم برسات آگیا اس لئے خستم

کے ساتھ گھاٹ سے اتر آیا اور پرگنہ کو لہا پور میں بیونس کے جہونپور سے فوج کے لئے ڈاکڑا بنے

لگا اور گھاٹ کی حفاظت کے لئے دس ہزار پیادے اور پانچ تیر انداز پہنچا دیے۔ لیکن موسم کی سختی بھی

محمود گادوان کو روک نہ سکتی تھی اوس نے اس زمانہ بیکاری میں قلعہ راگنہ کو فتح کر کے جی بھلایا۔ برسات کے بعد گھاٹ پر چڑھائی ہوئی اور کئی مہینے کی کوشش اور کشش میں ہنرا حیلہ و تدبیر اور لاکھوں پیسے پائی کی طرح بہا اور اس سنگسیر کے سرداروں کو قسم قسم کے تحفہ تحائف دیکر قلعہ راگنہ کو جسکی سنگین پراو وقت تک علم اسلام کا سایہ نہ پڑا تھا فتح کیا چونکہ اسی شمار میں موسم برسات آگیا اس لیے سب سے پہلی حفاظت پادوں کے پیر کر کے سواروں کو ہمراہ لیکر نیچے اتر آیا اور چار مہینے کے بعد سنگسیر مستوجب ہو جسکو بہت ہی آسانی سے فتح کر کے اوس طرف کے زنداروں سے ملک التجا خلف حسن بھری مندن کا انتقام لیا اور رعایا کو مطیع و فرمانبردار بنانے کے بعد گوآ کی طرف ہاجوراجہ بجا لکر کا مشہور بندھا چونکہ راجہ بجا لکر بحری فوج کا بھی مالک تھا اس لیے خواجہ جہان محمود گادوان نے بھی ایک سو بیس ہزار دکانا بے تیار کر کے تری حملہ کر نیکے لئے بھیجا اور خود جنگی کیطرت سے بڑھا۔ اور ابھی راجہ بجا لکر محمود گادوان کی غنیمت کی اطلاع بھی نہ ہوئی تھی کہ اوسکی حفاظت کے لئے فوج بھیجا کہ اوس نے بجلی کی طرح اوس قبضہ اس نمایان فتح کی خبر شہر شہر پہیل گئی اور اوس کے سینے سے محمد شاہ بہمنی اس قدر خوش ہوا کہ ایک مہفتہ تک میل شادی محمد آباد بیدرین بجا آیا۔ جب اس نمایان کامیابی کے بعد خواجہ جہان محمود گادوان قلعہ گوآ کی حفاظت کا بندوبست کر کے تین سال کے بعد فتح و نصرت کے ساتھ محمد آباد بیدر محمود گادوان کی قدر و قیمت داخل ہوا تو اوسکی اس قدر توقیر ہوئی کہ باو شاہ ایک مہینہ تک اوس کے

یہاں جہان رہا اور خلعت خاص غایت کیا اور ملکہ مخدومہ جہان نے اسکو ”بھائی“ کے لقب سے مخاطب کیا اور چند فقرے اس کے القاب میں پڑھائے گئے جس کے بعد وہ اس طرح مخاطب کیا جانے لگا۔

حضرت مجلس کریم سید عظیم ہمایون اعظم صاحب السیف القلم مخدوم جہانیاں معتد بارگاہ سلطان آصف جم نشان امیر الامرا ملک نامیجے و مملک التجار محمود گادان الماخطبہ خواجہ سلطان محمد شاہ نے خواجہ جہان کے غلام خوشقدم کی بھی قدر و منزلت کی جس سے اس تین برس میں خواجہ جہان کی بہت خدمت گزاری کی تھی اور اسکو کشور خان خطاب کیا۔ امراد گان میں داخل کیا اور قلعہ گواد بندوہ و گوندوال و کوہا پور کو اسکی جاگیر میں لے دیا۔ یہ ایک ایسی عظیم الشان فتح تھی اور اسکا خواجہ محمود گادان کے واپس اسیا عمیق اثر ہوا کہ اسکی انشاء کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ ایران توران جن جن سلاطین اور عاید سے اسکی خط و کتابت تھی ان سب کو اسکی تفصیلی کیفیت لکھی (۱) شدہ امین خیر ہوئی کہ اسے برکتیہ نے اجیر اسے راجہ بیاناگر کی تحریک سے بند گواپر حملہ آور ہو نیکا قصد کیا ہے اور قلعہ اربیکا پوچی بہت لشکر لیکر اسی طرف بڑھ رہا ہے۔

فتح قلعہ بلکان | محمد شاہ کو جب یہ خبر ہوئی تو وہ بھی اپنا لشکر لیکر قلعہ بلکان (جسکو اب

بلگاؤں اور انگریزی مین بلگام کہتے ہیں) کی طرف بہت ہی مضبوط و مستحکم تھا بڑا اور
 اسکا محاصرہ کیا راجہ پر کتیاہ صاحب بلگاؤں پہنچے دیکھ کر خواجہ جہان محمود گلاواں اور دوسرے
 مقربین کے ذریعہ عذر خواہی کی لیکن چونکہ بادشاہ کو اس طرف کے سرکش لوگوں کو ایک
 سبق بڑھانا منظور تھا اس لئے اسکی درخواست پر کوئی توجہ نہ کی اور آتش بازوں کو بلا کر حکم دیا کہ
 اگر اپنی جان کی سلامتی چاہتے ہو تو دو مہینہ میں قلعہ کی دیواروں کا نام بھی باقی نہ رہے اور
 خندق کو بہرنا خواجہ جہان کے سپرد کیا تاکہ جس روز دیواریں زمین سے پیوست ہوں اور مٹی ان
 خندق ہی بہری ہوئی رہے۔ لیکن ہر چند خواجہ جہان خندق کے بہرنے کی کوشش کرتا تھا
 مگر کسی تدبیر نے کام نہ کیا کیونکہ دن میں جب قدر بہری جاتی تھی رات کے وقت محصورین اوپر
 صاف کر دیتے تھے۔ یہ دیکھ کر خواجہ جہان نے غور کیا اور قلعہ کے مقابلہ میں ایک دیوار
 اونٹھا کر جا بجا مورچے قائم کئے اور یوسف عادل خان اور فتح اللہ عہد الملک کے مورچوں
 قلعہ کے برج کے نیچے تک سرنگ بنوا کر اوس میں باروت بہروا چونکہ دکن میں یہ پہلا
 موقع تھا کہ ایسا طریقہ اختیار کیا گیا اس لئے اسے پر کتیاہ نے خبر دیا ہوا تھا کہ سرنگ کو
 شتاب دے دیا گیا اور دفعۃً قلعہ کی دیواریں کی مقامات زمین سے آملیں۔ خندق تو
 پہلے ہی بہری ہوئی تھی فیج شاہی دوڑ پڑی اور قلعہ کے اندر گھسنے کی تدبیر کی گئی
 لیکن محصورین نے پہچان توڑ کر مقابلہ کیا اور فیج شاہی سے فریاد و ہزار آدمی کھائے

آخر کار محمد شاہ نے خود سوار ہو کر سخت حملہ کیا اور بیرونی حصار پر قبضہ کر کے اس قلعہ کے محاصرے میں مصروف ہوا۔ اسے پر کئی تو پہلے ہی سے بد دل ہو رہا تھا وہ یہ دیکھ کر بہ تبدیل لباس حاضر ہو گیا اور محمد شاہ نے فیاضی سے اس کا قصور معاف کر کے طبقہ امراء میں داخل کیا۔

۱۷۷۹ء میں ملا سارجن اور وروپاکشا کی پیہم شکستوں کی وجہ سے جیا نگر میں ایک نئے خاندان کی حکومت قائم ہوئی جس کے پہلے راجہ کا نام زرننگ تھا جو بیان کیا جاتا ہے کہ ورچاکشا کا غلام تھا۔ شاہ نے اسے اپنے محمد شاہ سلطنت جیا نگر پر چلا کیا۔ راستہ میں سلطان نے ایک پہاڑی پر ایک قلعہ دیکھا جو مسمار پڑا ہوا تھا دریافت کرنے سے معلوم ہوا کہ یہ قلعہ بادشاہان نے اپنی سرحد کی حفاظت کیلئے تعمیر کیا تھا۔ محمد شاہ نے یہ سن کر اس کی تعمیر و مرمت کا حکم دیا اور یہ کام خواجہ جہان محمود و گلاو کے سپرد کیا۔ خواجہ جہان محمود اپنی معمولی استعداد سے اس کام کی طرف بھی متوجہ ہوا اور چھ مہینہ کے قلیل عرصہ میں وہ کام کیا جو دوسرے دو برس میں ہی ہو سکتا۔ یعنی ایک شاندار و مستحکم عمارت کہڑی کر دی دیواروں پر خارا شکاف تو پین چڑا دیں اور قلعہ میں ہر قسم کی رسد کا سامان جمع کر دیا اور اس کے بعد محمد شاہ کو لا کر تمام چیزیں اس کی نظر سے گزرائیں۔ محمد شاہ اس قدر خوش ہوا کہ کہنے لگا کہ خدا کا جہ پر بڑا فضل و کرم ہے کہ ایک نے اس نے

مجھے شاہی دریا سے عطا فرمائی دوسرے خواجہ جہان جیسا نوکر عنایت کیا۔ اور ار
 راہ خوشنودی خواجہ جہان کو اپنا لباس پہنایا اور خواجہ کا لباس خود پہنا۔ یہ ایسی
 تھی کہ آج تک کسی بادشاہ نے نوکر کی نہیں کی یہاں تک خواجہ جہان محمود گاہکے اون
 کا نامون کا ذکر کیا گیا جو اس سے میدان جنگ میں ظہور پذیر ہوا اب مناسب معلوم
 ہوتا ہے کہ ایک سرسری نظر سلطنت بہمنیہ کی عام حالت پر بھی ڈال جائے۔ تاکہ ناظرین
 کو اس کتاب کے پوری طرح سمجھنے میں آسانی ہو۔

ساہن شاہی تاریخ اسلام میں خلفاء عباسیہ کی بدولت سیاہ رنگ کو وہ شرف
 امتیاز حاصل ہے کہ جب کبھی کسی الو العزم شخص نے داعیہ سلطنت کیا ہے تو نشان
 شاہی کے خیال سے اسکی آنکھیں بے اختیار اسی رنگ پر پڑی ہیں۔ جب سلطان
 میں اعراء و گن نے سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی کو تخت شاہی کے لئے منتخب کیا
 تو انہوں نے پیمنا و تبر کا اسی رنگ کو اسکا نشان قرار دیا اسلئے سلطانین بہمنیہ کا چہرہ
 اور سراپر وہ وہی سیاہ ہوتے تھے۔

سلطان علاء الدین حسن کی سلطنت کی بنیاد انتخاب پرتھی اور نہ اس کے پاس
 زیادہ سرملیہ تھا۔ اسلئے اس نے ترک احتشام کی طرف ہوا ایشیا میں قدیم الامایہ شخصی
 سلطنت کی بنیاد بھاجاتا ہوا جسکو حقیقت میں بھی شخصی حب و اکے قائم رکھنے میں کچھ

داخل ہے تو جہنم کی لیکن اسکے بیٹے محمد شاہ نے سب سے پہلے اپنے خیال کو اس طرف رجوع کیا اور اسکے بعد چھٹے بادشاہ ہوئے وہ اسکی تمیں میں کوشش کرتے رہے۔ لیکن چونکہ باقی خاندان سلاطین دہلی کا پروردہ تھا اور اسلئے اوس دربار کے رسم و رواج کو سلاطین بہمنیہ اپنے لئے آیدایت سمجھتے تھے۔ ہندوستان میں قدیم سے یہ چیزیں سامان شاہی سمجھی جاتی ہیں۔ (۱) چتر۔ (۲) تاج۔ (۳) تخت۔ (۴) اسپ (۵) قیل (۶) میاں۔ اور سلاطین بہمنیان سب کی عہدگی اور نفاست کو اپنی سلطنت کے استحکام کے لئے ضروری سمجھتے تھے۔

چتر۔ سیاہ ریشمی کپڑے کا ہوتا اور اوس کا قبہ قسم قسم اور رنگ بڑنگ کے جو اہرات پیش ہا سے آراستہ ہوتا۔ اور اسکے گلن پر ہما کی ایک برصع مورت نصب کی گئی تھی جسکے سر پر بطور تاج کے ایک بہت بڑا خوش آب و قوت لگا یا گیا تھا جو راسے بچا لگنے سلطان علاء الدین حسن لنگو بہمنی کو نذر دیا ہوتا اور جسکی قیمت کی یہ شخص سے جو ہریان دکن عاجز تھے۔

تخت۔ سلطان علاء الدین حسن کا تخت تو چاندی کا تھا لیکن اسکے بیٹے محمد شاہ کے زمانہ میں اسے تہگانہ نے ایک تخت جو اوس نے محمد شاہ غلق کی نذر

(۱) اس تخت کو سلطان فیروز شاہ بہمنی نے محمد بایجان اوس کے ٹوٹے سادات کو تقسیم کئے تھے (تاریخ فرشتہ)۔

کرنے کے لئے تیار کر لیا تھا دیتا بھیجا اور یہی تخت اخیر وقت تک سلاطین ہمنیہ کے لئے باعث افتخار رہا۔ یہ آبنوس کی لکڑی کا تھا اور ایسی ترکیب سے بنایا گیا تھا کہ اوہاٹے وقت اوسکا تختہ تختہ جدا ہو جاتا تھا۔ طول میں تین گز اور عرض میں اربائی گز تھا اور اوپر کمر پٹرن سونے کی پیتان جڑی ہوئی تھیں جو فیروزہ کی مینا سے مرصع تھیں اسی وجہ سے اوس کا نام تخت فیروزہ رکھا گیا تھا لیکن بعد میں سلاطین ہمنیہ کی شکوہ پندی سے اسے تخت جواہرات نصب ہو گئے کہ شکل ہی سے اسم باسمی معلوم ہوتا تھا۔ محمد شاہ رائے سنگھ کے اس دیہے اس قدر خوش ہوا تھا کہ چالیس روز تک جشن عام کیا سلطان محمود شاہ ثانی (المتوفی ۱۱۷۷ھ) کے عہد میں اسکی قیمت کا اندازہ ایک کروڑ ہن یعنی ساڑھے تین کروڑ روپیہ کھد ار کیا گیا تھا۔^(۱)

تاج - تاج شاہی سونکا تھا اور یا قوت والماس مروارید مرصع تھا۔ اسکی قیمت چار لاکھ ہن یعنی چودہ لاکھ روپیہ کھد ار تھی۔^(۲)

اسپ - شاہان ہمنیہ کے اصطبل میں گھوڑے عربی و عراقی و عجیب ہنر کرنے والے تھے اور لوہے کا سامان مثل زین و لگام مرصع ہوتا تھا۔

(۱) محمود شاہ ثانی کو سلطنت ریاست کی نسبت بزم نشاء کا زیادہ شوق تھا اسلئے اوس نے تخت فیروزہ جواہرات نکلوا کر حاشیہ باد و مراعی پیاڑ شربا، طنبور خام و مرصع کر لیا اور اس طرح قلاب و گاجیر باد ہوئی۔ (تاریخ ہندوستان)

(۲) ۱۱۷۷ھ شاہ ثانی (المتوفی ۱۱۷۷ھ) اس تاج کے جواہرات بھرا اپنے بیچ میں لایا۔ (تاریخ ہندوستان)

فیل - شاہانِ ہمنیہ کے یہاں باتون کی کمی نہ تھی محمد شاہ اول نے تو تین ہزار
 باتھی جمع کئے تھے مگر بعد میں یہی دو ہزار زنجیر فیل سے کم کشتی قتل میں نہ تھے فیل خاصہ
 کی عمارت زرین و مرصع اور چھول محفل زرکار کی ہوتی تھی۔

میانہ - میانہ بھی مرصع ہوتا تھا اور اسپر زردوزی کے کام کے
 پر دے پڑے رہتے تھے۔

سلاطین اسلام کے دستور کے بموجب فرامین شاہی کی پیشانی پر بادشاہ کے نام کا
 طغرائیا اور مہر لگائی جاتی تھی۔ شاہانِ ہمنیہ نے سونے چاندی کا سکہ بھی بنایا تھا جس کا وزن
 زیادہ سے زیادہ دو تولہ اور کم سے کم سے ربع تولہ ہوتا تھا اور اس کی ایک طرف کلمہ طیبہ
 اور چارون خلفاء و راشدین کے نام اور دوسری طرف بادشاہ کا نام اور تاریخ تیار کی
 منقش ہوتی تھی یہ سکے سب سے پہلے محمد شاہ اول نے بنائے تھے اور چونکہ ہندوی تعصب نے
 اس کی جاری رہنے میں مزاحمت کی اور باوجود مخالفت کے زرا اسلام کو گلا ڈالنے سے باز نہ آئے
 اس لئے محمد شاہ نے جوش میں اگر تمام صرافوں کو ایک بار قتل کر ڈالا۔ اس کا یہ نتیجہ ہوا کہ سلطنت
 ہمنیہ کے آخر تک برابر زرا اسلام رائج رہا مگر جب محمد شاہ ہمنی کے زمانہ میں سلطنت کو زوال
 ہوا تو صرافوں نے پہرچہ سات برس میں تمام اسلامی سکون کو گلا ڈالا اور اس کے بعد گودکن
 میں پانچ خود مختار حکومتیں قائم ہوئیں مگر کسی نے سونے چاندی کا سکہ جاری نہیں کیا البتہ سی

سکون کا جاری کرنا پایا جاتا ہے اور اعلیٰ درجہ سکون کے لحاظ سے رایان بجا نگر و تلگانہ کے محتاج تھے جنکے سکون کا نام مہن و پرتاب تھا۔ اگرچہ صرافون نے پوری کوشش کی تھی کہ سلطانین کے سکون کو صفحہ مستحی سے محو کر دیں لیکن ابھی تک اس خاندان کے بعض سلاطین کے سکے تلاش سے ملنے میں لمباتے ہیں۔

دربار سوائے جمعہ کے ہر روز صبح سے دوپہر تک دربار ہوتا تھا۔ دربار کا کمرہ پر تکلف ریشمی فرشوں پر آراستہ کیا اور اوسکے وسط میں نخل زربفت کا شامیانہ لگایا جاتا تھا۔ جسکے نیچے تخت فیروزہ رکھا جاتا تھا۔ دروازوں پر کھواب کے پردے پڑے رہتے تھے جسوقت بادشاہ جلوس کرتا تھا تو امراء و عہدہ داران سلطنت اپنے اپنے درجہ کے لحاظ سے دائیں یا بائیں کھڑے ہو جاتے تھے سواکشیخ و سادات کے کسی شخص کی مجال نہ تھی کہ بیٹھ سکے^(۱)۔ دروازوں کے پاس اندر کی طرف تو اچھی دیساول (چوہدار) کھڑے رہتے تھے جبکہ لقب اصطلاح بہمنین یا روار تھا۔ انکا یہ کام تھا کہ جب کوئی شخص آتا تھا تو اوسکی اطلاع اور خود اوسکو بادشاہ کے حضور میں پیش کرتے تھے اور پردوں کے باہر پردہ دار رہتے تھے جو دربار میں آنیوالوں سے ہتیار لے لیتے تھے اور اوسوقت تک اونکو روکے رہتے تھے جب تک کہ باردار اطلاع کرے۔ امراء جب حاضر دربار ہوتے تھے تو اونکے ہمراہی اردلی قلعہ ارک کے دروازہ کے پاس

۱۔ یہ عورت صرف ملک سیف الدین رشی زیر سلطان علاء الدین حسن لنگو بہمنی کو حاصل تھی لیکن سلطان محمد شاہ کے زمانہ میں اوس نے بھی بادشاہ کی از روگی کے خیال سے اس طریقہ کو موقوف کر دیا۔ (تاریخ خوشہ)

روک لئے جاتے تھے۔ دربار میں تمام معاملات سلطنت کا تصفیہ ہوتا تھا۔

دآب شاہی سلاطین ہمنیہ کے اولاد کی شادی یا تو اپنے ہی خاندان میں ہوتی تھی

یا بادشاہان قرب جو ار کے یہاں اور بعض خاص صورتوں میں امر اور شاہیں کو بھی بادشاہ کی دامادی کی عت حاصل ہو جاتی تھی۔

شاہان ہمنیہ نے اوس پالیسی کی بھی بنیاد ڈالی تھی جسکو بعد میں سلاطین

کے زمانہ میں بہت ترقی ہوئی یعنی قرب و جوار کے ہندو راجاؤں کی بیٹیوں سے بھی

نکاح کرتے تھے۔ سلاطین دہلی کی طرح نکاحی بی بی کو ملکہ جہان اور بادشاہ کی ماں ملکہ

مخدومہ جہان کہتے تھے مگر نکاحی بی بی کے علاوہ حرم سر اہر قوم کی عورتوں سے

بہری رہتی تھی۔

عل کے اندر خواجہ سراؤں کا پہرہ رہتا تھا اور سلطان فیروز شاہ نے بھی

قاعدہ بنادیا تھا کہ کسی بیگم کو تین خادمہ سے زیادہ نہ بجا ئیں۔ جب نیا بادشاہ تخت نشین

ہوتا تھا تو تمام امراء و منصبدار و طرفدار نذر دکھاتے تھے اور حسب حیثیت پیشکش و ہدایا

داخل کرتے تھے۔

سلاطین ہمنیہ میں علم سے عاری کوئی نہ ہوتا تھا بلکہ بعض بہت ہی ذہنی علم تھے

فیروز شاہ کو تو علم کا اس قدر شوق تھا کہ اوس کا اکثر وقت علما کی صحبت اور طالب علموں کو

درسِ سینے میں گذرتا تھا۔ ریاضی میں اسکو اتنا دخل تھا کہ سترہ سو عین اوسنے بالاکھاٹ
دولت آباد میں رسد بندی کا حکم دیا اور اس کام پر حکیم حسن گیلانی۔ اور سید محمود گارڈ
کو جو شاہیر روزگار سے تھے مقرر کیا مگر بعض وجوہ جن میں حکیم حسن گیلانی کی بے وقت موت
بھی تھی رصد نامقام رہی۔

فیروز شاہ کے علاوہ محمود شاہ اول اور احمد شاہ اول اور محمد شاہ ثانی بھی لطاف
ذی علم ہونے کے قابل تھیں۔ شعر اور علم کی اوج دربار میں قدر تھی۔ شکار کا شوق بھی نرسا
میں عام تھا اور چونکہ اوس وقت تک بند و قونجار و اج نہ تھا اسلئے یا تو تیریا نیزہ سے شکار
کہلیتے تھے یا چیتوں یا شکاری کتوں یا باز و بجر کی ذریعہ سے۔ محمد شاہ ثانی تو شکار کا ایسا
مستلا تھا کہ اوس نے خوش ہو کر اپنی ایک بحری کو منصب ہزاری عطا کیا۔ بادشاہ جب کسی
سے خوش ہوتا تھا تو اسکو خلعت دیا جاتا تھا مگر خلعت خاصہ سوا طرف واران اطراف کے
جنکا منصب ہزاری ہوتا تھا کسیکو نڈیا جاتا تھا۔ خلعت خاصہ میں بادشاہ کے لباس کا ایک
جوڑا اور کلاہ زرد و زاور کمر و شمشیر مرصع اور بعض اوقات اسپنیل بھی ہوتے تھے۔ اور جب
کوئی شہزادہ ولیعهد مقرر کیا جاتا تھا تو اسکو کلاہ زرد و زور کمر شاہانہ و پتھر و سیرا پر سیاہ
دخل و تخت خلعت میں دئے جاتے بادشاہ کی اردلی میں دو منتخب سوار ہستے تھے جنگلی
میں شاہی سینگ خانہ رہتا تھا اور اس لئے اونکو اسلحہ دار کہتے تھے ان کے علاوہ چار ہزار سوار

بادی گارڈ تھا جس میں بڑی تھوڑا ہونے منتخب ان پہرٹی کے جاتے تھے۔ گھوڑے اور سلاح اعلیٰ درجہ کے ہوتے تھے۔ بادی گارڈ کا نام اصطلاح ہمینہ میں خاصہ خیل تھا۔

شاہی محل کے پہرہ کے لئے یہ قاعدہ تھا کہ چار چوکیان مقرر تھیں اور چار سیکھدا

اور ایک ہزار خاصہ خیل ہر روز صبح سے لیکر دوسرے روز صبح تک پہرہ دیتے تھے اور امراء و منصبدار جو پایہ تخت میں موجود ہوتے تھے وہ بھی خاصہ خیل کے ساتھ پہرہ میں شریک تھے

تھے۔ ہر چوکی میں جو شخص اعلیٰ درجہ کا ہوتا تھا اسکو سرفوت کہتے تھے اور چوکی اول کا

سرفوت دوسرے سرفوتوں کا بھی افسر سمجھا جاتا تھا جو ایک بہت جلیل القدر منصب تھا۔ بادشاہ

جب کسی ہم کا قصد کرتا تھا تو سب سے پہلے دہلیز و سراپدہ سیاہ شہر کے باہر نصب کیا جاتا تھا اور

اوپر سے لوگوں کو بادشاہ کے ارادہ سے اطلاع ہو جاتی تھی۔ خراج جو ہندو راجاؤں کے پاس

آیا کرتا تھا اس میں عموماً نقدی اور تھنی گھوڑے اور نفیس سوئی اور ریشمی کپڑے اور خوبصورت

و تربیت یافتہ نوڈی غلام ہوتے تھے۔

مسبب امارت سلطان علاء الدین حسن گنگو بہمنی نے ملک کو چار صوبوں میں تقسیم اور

اسکے بیٹے محمد شاہ نے ہر صوبہ کے طرفدار کا لقب اور درجہ مقرر کیا۔ ہر طرفدار کا منصب ہزاری

ہوتا۔ اور طرفدار بیجا پور و حسن آباد گلبرکہ جو عموماً وکیل السلطنت بھی ہوتا تھا۔ ملک نائب طرفدار

دولت آباد سندھ عالی و اور طرفدار ابراہیم مجلس عالی۔ اور طرفدار بیدر و تلنگانہ اعظم سامون بہتا تھا

طرف دارون کے بعد یہ سالار کا درجہ تھا جس کا لقب امیر الامراء اور منصب یکہزار و پچھتر ہوتا تھا اور اسکے بعد وکیل السلطنت کا درجہ تھا جس کا منصب یکہزار و دو صدی ہوتا تھا اور باقی امراء کا منصب یکہزار سے زیادہ اور ایک صدی کم ہوتا تھا۔ امراء ہزاری طوق و علم و نقارہ کے مستحق سمجھے جاتے تھے۔ غالباً اس امر کے بتانے کی کوئی ضرورت نہیں کہ یہ تمام خطاب اور مراتب ہی میں سلطانین دہلی کے یہاں خصوصاً خاندان تغلق کے زمانہ میں مروج تھے۔

خطابات میں اعلیٰ درجہ کا خطاب آج بھان تھا۔ (۲) اور اس کے بعد ملک التجار کا درجہ (۳) تھا۔ اسکے بعد ملکی کا خطاب تھا (مثلاً نظام الملک، فخر الملک، قوام الملک، عطاء الملک و علی ہذا) و دلالی اور جگی کے خطابات اس زمانہ میں مروج نہ تھے۔ اخیر درجہ کا خطاب خانی کا تھا لیکن اس میں سب سے بڑا خطاب خانخانان کا سمجھا جاتا تھا۔ اور اسکے بعد خان اور خان زمان وغیرہ کا درجہ تھا۔ یہ خطابات بھی سلطانین دہلی کی تتبع سے اختیار کئے گئے تھے صرف ملک التجار کا خطاب نیا تھا۔

جدید سلطنت اعلیٰ درجہ کے بعد حسب ذیل تھے۔

(۱) وکیل السلطنت

(۱) تاریخ فرور شاہی شمس سراج عقیق و تاریخ ضیاء ربانی۔

(۲) یہ خطاب سلطان علاء الدین ثانی نے خواجہ مظفر علی استرآبادی کو دیا تھا۔

(۳) سلطان احمد شاہ بہمنی نے اپنی تخت نشینی کے بعد یہ خطاب خلف حسن کی بجائے ایجاو کیا تھا جس نے

(۲) وزیر کل

(۳) امیر حلیہ

(۴) اشرف

(۵) نظارت

(۶) پیشوا

(۷) کوتوال دارالسلطنت

(۸) صدر جہان

اس وقت یہ معلوم ہوتا کہ ان عہدوں سے کیا کام متعلق تھے دشوار ہے اور کسی تاریخ
میں اس کی تفصیل نہیں مل سکتی لیکن اس قدر معلوم ہوتا ہے کہ وکیل سلطنت کا عہدہ سول
میں برترین تھا اور وہ زیادہ تر بطور وزیر صیغہ خارجہ کے ہوتا تھا اور بادشاہ کی غیر حاضر
میں کاروبار سلطنت کو انجام دیتا تھا۔ جب کوئی شخص اس عہدہ پر مقرر ہوتا تھا تو اس کے
ایک انگشتری بطور علامت عہدہ کے دی جاتی تھی۔ وزیر کل تمام انتظام اندرونی کا ذمہ دار
اور امیر حلیہ بطور لارڈ جیمز لین (میرا خور) کے ہوتا تھا۔ کوتوال شہر نہ صرف افسر پولیس

بقیہ نوٹ ص ۳۶۔ اس کو تخت سلطنت حاصل کرنے میں اپنی مستعدی اور غرض گیری سے بہت مدد
تھی۔ اور چونکہ یہ شخص سوداگر تھا اس لئے یہ خطاب اس کے لئے تجویز کیا گیا۔ مگر بعد میں بلا لحاظ مناسبت
کے دیا جانے لگا۔

ہوتا تھا بلکہ معمولی مجرم کو تکوینیت نہٹریٹ سزا بھی دیتا اور ہتھم جاس بھی ہوتا تھا۔ صدیوں قاضی القضاۃ کا لقب اور وہ گویا بطور حقیقت سب سے کے ہوتا تھا۔ باقی عہدوں کی کچھ کیفیت معلوم نہیں ہو سکی مگر یہ لازم نہ تھا کہ ہر عہدہ پر علاحدہ شخص مقرر کیا جائے بلکہ اکثر اوقات متعدد عہدے ایک ہی شخص کو دئے جاتے تھے۔

دارالسلطنت سلطان علاء الدین حسن لنگو بہمنی نے گلبرگہ کو دارالسلطنت بنا کر حسن آباد نام رکھا تھا جہاں ابھی تک ایک قدیم مسجد جس کا طرز عمارت اپنی آپ ہی نظیر ہے اور حضرت شاہ سید محمد گیسو دراز کا خوبصورت گنبد سلطنت بہمنیہ کی شان و شوکت پر شہادت دے رہا ہے مگر بعد میں احمد شاہ ولی بہمنی نے خوشگوار آباد ہو کر وہاں سے بیدرین چل کر ایک بہت قدیم شہر سے منتقل کر کے اوس کا نام احمد آباد رکھا۔ شہر کے گرد فصیل اور اوس کے اندر وسیع بازار بنائے گئے اور وسط شہر میں قلعہ ارک پتھر اور چوٹے سے تعمیر کیا گیا جس میں متعدد شاہی محل تھے اور ہر محل کا خاص نام ہوتا تھا چنانچہ ایک محل کا نام گلینہ محل تھا۔ شہر کے باہر کثرت باغات تھے جن میں پر تکلف مکانات بنے ہوئے تھے۔ ایک باغ کا نام جو سلطان علاء الدین نے لگایا تھا نعمت آباد تھا۔

اشاعت علم سلاطین بہمنیہ کو اشاعت علم کی طرف بہت توجہ تھی تمام شہروں اور قصبوں میں بیدر کا نام اور رنگ زیبکے زمانہ تک احمد آباد رہا مگر اوس نے اوسکو بدلتے ہوئے آباد کر دیا اور اس لئے ابھی تک محمد آباد بیدر مشہور ہے (از اخبار الاخبار)

اور بڑے بڑے موضوعوں میں مسجدین تھیں اور ہر مسجد کے متعلق ایک مدرسہ تھا جس میں عربی و فارسی کی تعلیم ہوتی تھی۔ ان مدرسوں کا خرچ اوقاف سے چلتا تھا جو مسجدوں سے متعلق ہوتے تھے اور آبادی کے خیال سے ہر مسجد میں امام و مؤذن و فرائض مقرر تھے۔ محمود شاہ بہمنی (المتوفی ۷۳۹ھ) نے ایک سخت قحط کے بعد یتیموں کے لئے گلبرگہ - بیدر - قندھار - ایچپور - دولت آباد - خیر - جویل - وائل وغیرہ میں یتیم خانہ قائم و یتیموں کی تعلیم و تدریس کے لئے معلم مقرر کئے۔ سلاطین بہمنیہ نے رعایا کی تعلیم کا ایسا اچھا انتظام کیا تھا کہ اوس کا اثر ابھی تک ان کے ممالک محدود سے محدود ہے۔

تعمیرات عامہ سلاطین بہمنیہ نے کبھی تعمیر عامہ کی طرف مثل دوسرے سلاطین اسلام کے توجہ نہیں کی صرف سلطان علاء الدین ثانی نے ایک دارالشفاء بیدر میں تعمیر کی تھی جہاں مریضوں کو مفت دوا ملتی تھی اور بے استطاعت لوگوں کے رہنے کا بھی بندوبست تھا اور ان کو کھانا کپڑا سرکار کی طرف سے ملتا تھا۔ سوائے اس ایک دارالشفاء اور چند مقبروں اور مسجدوں کے اور کوئی عام فائدہ کی عمارت مثل سرائے و چاہ اور مدارس نہ تھیں۔ تعمیر نہیں ہوئی اور نہ کسینے آب سانی کا کارخانہ قائم کیا اور نہ ٹاک کی چوکیاں بنائیں۔ سلاطین بہمنیہ کی یادگارین فقط مستحکم پہاڑی قلعے ہیں جو آج بھی گرم و سرد زمانہ کا ویسے ہی استقلال سے مقابلہ کر رہے ہیں جیسا کہ پانسو برس پیشتر اپنی تعمیر کے

وقت کرتے تھے۔^(۱)

انتظام پولیس عدالت حفظ امن و انسداد جرایم کے خیال سے ہر شہر اور ننگا نوہین پولیس اور
تضایا کے انفصال کے لئے ایک ایک قاتلی یا میر علی مقرر تھا۔

ہندو کی حالت سلاطین بہمنیہ کے زمانہ میں ہندو کی حالت بہت اچھی تھی۔ مسلمان حکومتوں
کا خاصہ ہے کہ وہ کبھی مفتوحین کے رسم و رواج کے بجا اپنے رسم و رواج کو قائم نہیں کرتیں
اور اسی لحاظ سے سلاطین بہمنیہ نے جو عہدے قدیم سے چلے آتے تھے اُن کو موقوف
نہیں کیا بلکہ خود اپنی طرف سے قائم کر کے مستحکم کیا۔ سلطان علاء الدین حسن بہمنی کی شاگردی
نے نہ صرف اپنے قدیم سرپرست برہمن کے نام کو اپنے نام کا جزو اور اسکی ذات کو اپنے خاندان
کا لقب قرار دیا تھا بلکہ لگو بھی سرد فر حساب مقرر کیا۔ یہی وہ پہلا برہمن ہے جس نے اسلامی
بادشاہوں کی ملازمت اختیار کی لیکن اسے کسی ایسی ساعت سعید میں اپنی خدمت کا جائزہ
لیا تھا کہ ابھی تک اس کے ہجوم شاہانِ دکن کے حسابات پر حاوی ہیں۔ ہندوؤں پر کوئی
خاص ٹکس نہیں تھا اور نہ وہ ممنوع الملازمت تھے۔ اُن کو فوج میں بھی عہدے دئے جاتے تھے۔
گو کہ اس میں عام اسلامی پالیسی کے لحاظ سے جسکی ضرورت کو ہندو مسلمانوں کے قریب آمد
بھی مستحکم کر دیا تھا کیس قدر احتیاط کی جاتی تھی۔

(۱) کرنی منڈ ڈیڑھ۔ آکر کی ٹیگر اف بجا پور۔

رحم دل پالی سلطان محمد شاہ اول نے کشن رائے والی بیجا نگر سے معاہدہ کیا تھا کہ فقار و ساکین و عورات و اطفال جنگ کے وقت قتل سے محفوظ رہیں اور جو شخص زندہ گرفتار ہوا اس کو کسی قسم کا آزار نہ پہونچایا جائے۔ یہ خوشی کی بات کہ سوا سلطان احمد شاہ ولی بہمنی کے (اور اس نے بھی محض تنگ اگر) اور کبھی کبھار اس معاہدہ کی خلاف ورزی کر کے اپنے دامن کو آلودہ نہیں کیا یہ ایسی مقبول اور رحم دل پالی ہے کہ گو اس کی ضرورت کو اس وقت سب لگ تسلیم کرتے ہیں مگر اس کی پوری پابندی کسی مہذب سی مہذب سلطنت بھی نہیں ہو سکتی۔

فوج سلاطین بہمنیہ کی فوج کی تعداد کبھی کسی زمانہ میں پچاس ہزار سے زیادہ نہیں ہوئی اور ان کے علاوہ ہر شکر کے ساتھ متعدد ہاتھی اور توپ خانے ہوتے تھے معلوم ہوتا ہے کہ بیجا نگر کے یہاں توپ خانے کا سب سے پہلے رواج ہوا مگر ۱۶۳۶ء میں محمد شاہ اول نے بیجا نگر پر چڑھائی کی اور ایک کامیاب لڑائی میں کئی توپیں اس کے ہاتھ آگئیں جس کے بعد اس نے توپیں اور باروت بنانے کے کارخانے قائم کئے۔ توپچی کی خدمت پر عوامار و مٹی فرنگی رکھے جاتے تھے اور حفاظت کی غرض سے رات کی وقت توپوں کو زنجیروں میں جکڑ دیا کرتے تھے۔ بند قین ابھی تک ایجا نہ ہوئی تھیں۔ اس معمولی لڑائیوں میں توپیں زیادہ کام

(۱) سرہنری ایٹ نے لکھا ہے کہ اتنے قدیم زمانے میں ہندوستان میں توپوں کا استعمال ہونا قریب قیاس نہیں ہے لیکن جس تاریخی شہادت پر کہ پردہ اتھرتی ہے وہ نہایت قوی ہے اور جبکہ یہ مسلم کی کہ ۱۶۳۶ء میں یورپ میں توپوں کا رواج ہو گیا تھا تو ہندوستان میں ۱۶۳۶ء اور اس کے قریب میں توپوں کا مروج ہونا خلاف قیاس نہیں ہو سکتا۔

نہ آتی تھیں صرف محاصروں میں اپنی زہرہ شکاف آواز سنا کر قلعہ کی دیواروں کو خاک میں ملائی
 تھیں۔ تو پون کے ساتھ منجیقون (گوہنوں) سے بھی قدیم طریقے کے بموجب محاصروں میں
 کام لیا جاتا تھا۔ خواجہ جهان کی وفات کے تھوڑے عرصہ بعد ایک پرتگیزی سیاح (۲) ڈوارٹ
 باربوسا نامی نے وکن کا سفر کیا تھا اوس نے اپنے سفر نامہ میں وکن کی فوج کے بہت دلچسپ حالات
 لکھے ہیں وہ تحریر کرتا ہے کہ ”فوج میں سواروں کی کثرت تھی جو عموماً ایران و ترکستان وغیرہ کے
 رہنے والے تھے وہ چھوٹی چھوٹی گاٹیوں پر سوار ہوتے تھے اور ان کا لباس سوئی کپڑے کا
 ہوتا تھا اور سروں پر مختصر ٹوپیاں اوڑھتے تھے بعض روئی دار کمریاں پہنتے تھے اور بعض زرہ
 بھی استعمال کرتے تھے اور گھوڑوں کو تاروں کی جھوٹ سے مسلح کرتے تھے ان کی گردنوں میں
 ترکی کمانیں ہاتھوں میں لنبے لنبے بک نیزے جھکی چوبلی اتی تین ہاتھ لیتی ہوتی تھی اور کمر
 ترکش لگے رہتے تھے۔ تیر اندازی میں عموماً سبکو اچھی مشق ہوتی تھی۔ ان ہتیاروں کے علاوہ بعض
 پاس کٹا راوتر اور دو تلواریں پر تلے میں گویا کہ ہر سوار کے پاس سپاہیوں کے ہتیار رہتے تھے۔
 زمانہ سفر میں سامان رسد کو بیلوں پر لاؤ کے لچلتے تھے اور سرداروں کے آرام و آسائش کی غرض سے
 سوئی خیمے ساتھ رہتے تھے تو پون کا رواج اچھی طرح ہو گیا تھا۔ اور اکثر ترک چوبلی کی خدمت پر مقرر
 کئے جاتے تھے۔ بجا لگنے کی فوج میں اکثر فوج تو پید لوئی ہوتی تھی اور معدود چند سوار ہوتے تھے۔ پیدل

میں سے ہر شخص کے پاس ڈھال تو اور کمان و ترکش ہوتے تھے اور او کو تیر اندازی میں اچھی
 مشق ہوتی تھی۔ یہ لوگ دھوٹی باندھتے تھے اور اوپر کے جسم پر کوئی کپڑا نہ پہنتے تھے۔ سرون
 پر مختصر ٹوپیاں ہوتی تھیں۔ ”مگر جب کہ (۱) ایسی فوج رکھنے کا ہمیشہ یہ نتیجہ ہوا کہ اہالی بجا نگر کو
 شکستیں ہوئیں تو دیور اسے راجہ بجا نگر نے جو بہت الو العزم تھا سلطان علاء الدین تائی
 زمانہ میں فوج میں بہت سی اصلاحیں کیں اس نے سواروں کی تعداد کو اٹھارہ ہزار سے تیر ہزار
 کر دیا۔ اور کثرت مسلمان فوج میں بہرتی کئے گئے اور انکی دلہی کے لئے ایک مسجد بجا نگر میں
 تعمیر کر دی اور ہر روز صبح کی وقت جب بار میں مہینا تھا تو رحل پر کلام اللہ اپنے سامنے
 رکھ لیتا تاکہ مسلمان اسے دیکھ کر سربھگائیں۔ اس کے علاوہ اس نے سپاہیوں کی تعداد میں بھی
 اضافہ کیا اور تیر اندازی کی مشق کی طرف بھی توجہ کی۔

سوساٹی اس زمانہ میں یا اس سے پہلے زمانہ بعد جن سیاحوں نے کوکن کی سیر کی تھی اوکنی
 سفر ناموں سے معلوم ہوتا ہے کہ سوساٹی پھسل تھی۔ سب بڑا گروہ وکن کے اصلی باشندوں
 ہندو کا تھا۔ اس کے بعد وکنی مسلمانوں کا گروہ تھا جو عوام ترکوں۔ عربوں۔ ایرانیوں۔
 حبشیوں کی نسل سے تھے مگر اس گروہ میں نو مسلم بھی اپنے آپکے شمار کرتے تھے۔ ان کے بعد تارا
 ولایت عربوں ایرانیوں ترکوں اور حبشیوں کا درجہ تھا جو عموماً اس ملک کو اپنا وطن بنا کر

(۱) تانچہ نوشتہ

(۲) استینلی کی کتاب بار بوس نوکر دوا نگر۔ تانچہ نوشتہ۔ کاتھربائی۔

میں شادی بیاہ کر لیتے تھے ہر شخص زیادہ تر اپنے ہی رسم و رواج کا پابند تھا لیکن باہمی میل جول کی وجہ سے مسلمانوں کے رسم و رواج پر بھی ہندوؤں کا اثر نمودار ہو چلا تھا۔ شہر و نین مکانات عموماً پختہ ہوتے تھے اور صاحب قدرت پتھروں کے مکانات میں بھی رہتے تھے تمام شہروں میں مسافروں کے لئے سرائیں ہوتی تھیں اور بازار وسیع اور دوکانوں میں ہر قسم کے اجناس فروخت کے لئے موجود رہتی تھیں۔ علم کا عام طور پر رواج اور عالموں کی قدر تھی۔ لباس اکثر لوگ رنگ برنگ کے ریشمی کپڑوں کا پہنتے تھے اور شراب کا رواج عموماً طبقہ امرا و سلاطین میں تھا۔ موروثی امراء کا کوئی طبقہ نہ تھا۔ ہر امیر کا خطاب

ذاتی اور جاگیر مشروط بالمحمیت ہوتی تھی اور سامان امارت مثل میانہ و فیل و اسب

بادشاہ کی ملک سمجھا جاتا تھا۔ اسی وجہ سے ادنیٰ سے ادنیٰ درجہ کا آدمی اعلیٰ سے اعلیٰ مرتبہ پر جو ہر ذاتی سے پہنچ سکتا تھا۔ غلامی کوئی عیب نہ تھی بلکہ بندگی خداوندی کا زینہ سمجھی جاتی تھی۔ تجارت کو بھی لوگ حقارت کی نظر سے نہ دیکھتے تھے بلکہ ایک شریف مشیت تھے

اصلاحات انتظامی خواجہ جہان محمود گادوان کی جنگی زندگی اور سلطنت بہمنیہ کی عام حالت کہانے

کے بعد مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ان اصلاحوں کی طرف توجہ کیجئے جو اوس نے انتظام

میں کیں۔ سلطان علاء الدین حسن گکو بہمنی جب ۳۵۰ھ میں فوت ہوا تو خاندان بہمنیہ

قبضہ میں اوس وقت ملک چار شہر اور صوبہ تلنگانہ کا سیکندر حصہ اور اضلاع راجپور

و مدگل کرنا ملک میں تھے۔ جب محمد شاہ بہمنی اپنے باپ کی جگہ تخت نشاہی پر جلوہ گر ہوا تو اس نے سب سے پہلا کام یہ کیا کہ ملک کو چار صوبوں میں جتنا نام اس نے اطراف کہا تقسیم اور ہر صوبہ میں ایک طے فدا مقرر کیا۔ ایک سو بیس برس کے عرصہ میں راجا یاں بجا نگر و ملکانہ و کانن و اور یہ کے مالک کا اکثر حصہ فتح ہوا اور سو بجا نگر کے کوئی مخالف حکومت قرب جو ار میں باقی نہ رہی اس لئے ملک کی حدود بہت وسیع ہو گئیں مگر باوجود اس کے قدیمی تقسیم قائم رہی جس میں وہ تمام نقص نمودار ہو گئے جو کسی ایسے طریقہ میں پکارتے ہیں جسکی نظرتانی باوجود حالات کے بدل جانے کے نہ کی گئی ہو۔ اور ہر صوبہ کا طے فدا اس قدر قوی رہا کہ اس کو حد اعتدال میں رکھنا دشوار تھا۔ آخر کار خواجہ جہان محمد دگاوان نے ۱۷۷۱ء میں خیال کیا کہ اصول سیاست کے بموجب حکومت کو اس طرح تقسیم کرنا چاہیے کہ کسی ایک شخص کے ہاتھ میں زیادہ قوت جمع نہ ہو اور بادشاہ کا قابو سب یکساں رہے اس لئے اس نے تمام ملک کو بجائے چار اطراف کے آٹھ صوبوں میں تقسیم کیا جسکی تفصیل یہ ہے۔

تقسیم جدید

تقسیم قدیم

(۱) گلبرگہ

(۱) بیجا پور جس میں راجپور و مدگل اور

بہت سے اضلاع و ریاستوں پر مشتمل تھے

(۲) حسن آباد جس میں اضلاع گلبرگہ و ملکانہ

نقشہ قدیم

نقشہ جدید

دشوراپور شامل ہوئے۔

(۲) دولت آباد

(۳) دولت آباد -

(۴) خیر - اس میں کانکن و گواہنگاؤں

بھی شریک تھے۔

(۵) تلنگانہ

(۵) راجمندی - جس میں اضلاع تلنگانہ

و اوریا شریک تھے۔

(۶) بڑاڑ

(۶) درنگل -

(۷) گادیل -

(۸) ماہور -

اور اس غرض سے کہ بادشاہ کا رعب و داب تمام صوبوں پر قائم رہے اور حالات معلوم ہوتے رہیں اور ہر ایک صوبے بعض بعض دیہات کو بادشاہ کے اخراجات کے لئے خاص کیا جس سے تمام ملک پر شاہی نگرانی قائم ہو گئی سلطان علاؤ الدین جس گنگوہمنی کی وقت سے ایک یہ بات بھی چلی آتی تھی کہ جس ست میں جتنے قلعے ہوتے تھے وہ اوسے سے طرفدار کی تحت میں رہتے تھے اور وہ جسکو چاہتا تھا اپنی طرف سے قلعہ دار مقرر کر دیتا تھا اسکا یہ نتیجہ

تہا کہ طرف داروں کی قوت بے حد بڑھ جاتی تھی اور جب جی میں آتا تھا سرکشی کر بیٹھتے تھے خواجہ جہان نے اس طریقے کو بھی موقوف کیا اور قرار دیا کہ صرف ایک قلعہ سر لشکر سمت کی تخت میں رہے باقی قلعوں پر بادشاہ کی طرف سے امراء و منصبدار قلعہ دار مقرر ہو اکریں اور ان کو اور ان کی فوج کو شاہی خزانہ سے تنخواہ ملا کرے۔ ان لوگوں کے تقرر سے نہ صرف طرفداروں کی قوت میں کمی ہوئی بلکہ یہ لوگ اس کے افعال کے نگران بھی رہتے تھے۔ انتظام مالگزاری کے متعلق یہ بندوبست کیا کہ مالکان اراضی کی حقیت کو مشخص کر کے رجسٹر دین دج کیا اور دیہات تعلقات امتداد کی جمع بندی کو احاطہ تحریر میں لا کر ایسا سیدہاسا و طریقہ جاری کیا کہ جس سے رقم وصول کی یہی آسانی سے متبع ہو سکے اور رعایا بھی استحصال بیجا سے محفوظ رہے۔ تاریخ ہندوستان میں بندوبست مالگزاری کی یہ پہلی مثال ہے اور خواجہ جہان محمود گدوان کو یہ فہمیت حاصل کہ اوس سے پہلے ایک ایسے ضروری انتظام کی طرف توجہ کی جس کا اثر ہندوستان کی ۵ فیصدی فحقوق کی آرام و آسائش پر پڑتا ہے اور جس کو آج تک انتظام سلطنت کا سب سے بڑا سچھا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ تمام دیہات کی حد بندی بھی کی یہ سب ایسے عمدہ انتظامات تھے کہ اودن کا اثر رعایا پر تو اچھا پڑا مگر طبقہ امراء میں عام ناراضی نہیں گئی۔

خواجہ جہان محمود گدوان نے انتظام فوج کی طرف بھی پوری توجہ کی کیونکہ اس کا اصلاح کی اوس پر آشوب زمانہ میں جبکہ قوی دشمن سلطنت بہمنیہ کو ہر طرف سے گھیرے ہوئے

انتظام فوج

بہت ضرورت تھی۔ سلطان علاء الدین حسن لنگوہنی کی وقت سے یہ طریقہ چلا آتا تھا کہ افواج کے کمانڈروں کو دو درجے تھے ایک پافندی۔ دوسرا ہزاری۔ سرشکران پافندی ایک لاکھ پن (۱) سالانہ ملتے تھے اور امرا ہزاری کو دو لاکھ پن۔ اور یہ روپیہ یا تو نقد دیا جاتا تھا یا اس کے معاد میں جاگیر دی جاتی تھی۔ چونکہ سپاہی کی کوئی تنخواہ مقرر نہ تھی اور گنتی کا بھی کوئی قاعدہ یا ضابطہ نہ تھا اس لیے سرشکرانہ تو ہیک تعداد میں فوج رکھتے تھے اور نہ سپاہیوں کو معقول تنخواہ دیتے تھے کہ وہ دل سے سرکاری خدمت میں بیالائے۔ خواجہ جہان سپاہی لیکر امرا ہزاری کی تنخواہ مقرر کر دی اور زمانہ کی حالت کے لحاظ سے اوس میں معتد بہ اضافہ کیا اور قرار دیا کہ امرا پافندی کو ایک لاکھ پچیس ہزار پن اور ایک ہزاری کو دو لاکھ پچاس ہزار پن ملا کر پن۔ مگر اس سے بھی حاضری کا ایسا طریقہ مقرر کیا کہ اگر ایک سپاہی بھی تعداد مقررہ کم رکھا جاتا تو سرشکر کی تنخواہ سے اس قدر رقم وضع ہو جاتی تھی جو ایک بہت ضروری اصلاح تھی۔ اس کے علاوہ محمود گلاں فوج کے خوش رکھنے کی اور بھی تدبیریں کرتا رہتا تھا اس کو سپاہی کے دل لہانے کے لیے ڈھنگ یاد تھے کہ اس کا وار کبھی خالی نہ جاتا تھا۔ جب تک عین دکن میں دو سالہ قحط پڑا جس سے تمام ملک ویران ہو گیا اور اس کے بعد راجہ اوڑیسہ نے موقع پا کر بہت سی فوج کے ساتھ یورش کی تو شاہی فوج کو بدول و ہراسان دیکھ کر

خواجه جہان نے بادشاہ کو مشورہ دیا کہ ایک سال کی تنخواہ تقسیم کر دیجائے۔ جس سے سب لوگ اس قدر خوش ہوئے کہ خوب جی توڑ توڑ کر لڑے۔

آفاقی و دکنی خواجه جہان ایک نہایت دانشمند آدمی تھا چونکہ ملک التجا خلف حسن بھری کا واقعہ اوسکے آنے سے چند ہی روز پیشتر ہوا تھا اس لئے اوس نے اوسکے دلیر ایسا اثر کیا تھا کہ کبھی محسوس نہ کرتا۔ اوس نے کوشش کی کہ دونوں فرقوں میں اختیارات کی میزان کے پڑ و ٹکڑ برابر رکھتے اور جو شخص بادشاہ کی خیر خواہی اور جو ہر ذاتی کاشتوت دے اوسکی قدر و منزلت ملحوظ اسکے کہ وہ دکنی ہے یا حبشی یا آفاقی کیجائے۔ محمد شاہ کی حکومت کے اوائل میں امرائے بہت سب اور ہٹایا تھا اسلئے رفتہ رفتہ او کو ختم کیا گیا اور اوسکے بجائے غلاموں کی تعداد کے بڑھانے کی طرف توجہ کی گئی۔ چار ہزار غلام باڈی گارڈ میں داخل کئے گئے جن میں سے دو ہزار حبشی و دکنی اور دو ہزار گرجی و پھر کس و قلاق وغیرہ تھے۔ خواجه جہان دونوں گروہوں کو ایک نظر سے دیکھتا تھا چنانچہ جب محمد شاہ نے رائے اور یا پر چڑھائی کرنا خیال کیا تو اوس نے بادشاہ کو صلاح دی کہ یہ کام ملک حسن بھری کے جو ایک نو مسلم ہمین غلام تھا سپرد کیا جائے۔ بادشاہ نے اوسکو نظام الملک کا خطاب دیکر اس کام پر متعین کیا اور جب وہ فتح و نصرت کے ساتھ اس مہم سے واپس آیا تو اوسکو سر لشکر تلنگانہ مقرر کر کے خلعت خاص دلویا۔ انتظام جدید کی وقت بھی اس اصول کو بخوبی پیش نظر رکھا۔

چنانچہ نظام الملک بھری کو طر فار را حمذری اور فتح اللہ عماد الملک بانی خاندان عجمی
 کو طر فار کا دہل مقرر کیا اسی طرح آفاقین میں سے خواجہ جہان نے یوسف عارف
 کو جو اس کا غلام تھا خلاصی کے درجہ سے سرشکری دولت آباد کے درجہ تک پہنچایا
 اور فتح الملک گھیلانی کا طر فاری پیر پر تقرر کیا خاندان شاہی میں سے اعظم خان پسر
 قلندر خان کو درگل کا طر فار مقرر کیا اور شیون میں سے دستور دینار اور خداوند خان
 کو سرشکر حسن آباد و ماہور کی عت بشی - خواجہ جہان کے ذاتی ملازمن میں ملک
 اشرف ملک حیدر دکنی بہت بڑا درجہ رکھتے تھے اور فتح الملک دکنی جس کو اس کے بعد
 خواجہ جہان کا خطاب ملا اس کا غلام زادہ تھا - عرض کہ خواجہ جہان تمام گرد و ہون کے
 حقوق کی پوری پوری حفاظت کرتا تھا اور جس شخص کو لایق پاتا تھا خواہ وہ غلام ہو کہ
 امیر دکنی ہو کہ آفاقی اس کی قدر کر کے اس کو اعلیٰ مرتبہ پر پہنچاتا تھا کہ جس کے وہ لایق
 ہوتا تھا اسی وجہ سے کسی شخص کو اس کی بجا شکایت کا بہت کم موقع ملتا تھا - اہل ملک
 کا سچا ہمدرد تھا اور اس کا ثبوت اس سے زیادہ کیا ہو سکتا ہے کہ اس نے دار السلطنت میں
 ایک عالیشان مدرسہ قائم کر کے ایسا سرچشمہ جاری کر دیا جو تمام ملک کو علم کی برکت سے
 سیراب کر کے اہل ملک کو اپنے ملک کے انتظام کے قابل بنا دے ۔

خواجہ جہان محمود گوان نہایت دور اندیش ہو رہا تھا - وہ خوب جانتا تھا

اصلاحی دہلی

کہ سلطنت کو اوسنی وقت فروغ ہو سکتا ہے جبکہ دوسری سلطنتوں سے ربط و اتحاد ہو
چنانچہ اوس نے جیسے دوستانہ تعلقات کے محمود شاہ دہلی گجرات کے ساتھ قائم کئے تھے
اونکی کیفیت یہی تھی جیسا کہ ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ یہ دوستی قیام سلطنت دکن
بارہ میں کس قدر مفید ثابت ہوئی خواجہ جہان تمام دنیا کے مسلمانوں کو ایک سمجھتا اور
اونکا منصوبہ یہ تھا کہ تمام اسلامی سلطنتوں میں آپس میں دوستانہ تعلقات رہیں اور ایک کو
دوسری کے ساتھ جیسا کہ اخوت اسلامی کا تقاضا ہی ہمدردی ہو۔ یہ وہ مبارک پالیسی تھی کہ
اگر کاش سب لوگوں کا ایسا ہی خیال ہوتا جیسا کہ یقیناً ہونا چاہئے تو آج اسلام کی پرورش دینا
پر ایسی بے توقیری ہرگز نہ ہوتی جیسی کہ ہے اور اسلامی سلطنتیں بجائے اسکے کہ ایک دوسرے
زوال کا باعث ہوں ترقی کا سبب بنتیں۔ اس پالیسی کا یہ نتیجہ ہوا کہ قرب و جوار کی
سلطنتیں شاہ دکن کو حامی دین سمجھنے لگیں۔ جب سلطان الشرق محمود شاہ جو پوری پر براہ
پڑا تو اوس نے محمود شاہ کے پاس طلبہ دکن کے لئے ایچی بھیجے اور گو محمود شاہ بعض مصلحتوں کی
وجہ سے مدد نہ دیا لیکن سلطنت دکن جو پور میں دوستانہ تعلقات قائم ہو گئے اسی طرح
خواجہ محمد شاہ کی طرف سے سلطان مراد والی ترکی اور سلطان مصر اور شاہ گیلان وغیرہ
کو تحفہ تالیف پہنچا اور اوس سے خط و کتابت کرتا رہتا تھا۔ جب خواجہ جہان کو دکن
میں نمایان کامیابی حاصل ہوئی تو اوس نے سلطنت دکن کی عظمت قائم کرنے کے لئے

بنی فتوحات کی تفصیلی حالات قریب قریب تمام دنیا کے شاہان اسلام کو لکھے۔

اب یہاں قوم کاوان
پراویٹ لایف

اگر خواجه جہان محمود گادوان کی پراویٹ لایف کو دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ ایک صاف شفاف سیمین چشمہ ہے کہ نہایت

اموشی سے بہ رہا ہے اور خود تو زور و شور سے پاک ہے مگر جس طرف اوسکا گزر ہوتا ہے
کسکے کناروں پر ہری ہری کھیتیاں موجود ہو جاتی اور خوشامچول اوسکے شفاف پانی میں
نی دلریا تصویر دیکھ کر جوش سرسے ہٹے ہیں۔ خواجہ جہان جو وقت کرسی وزارت
وہ افرور ہوتا تھا تو ایک دیباہ امیر معلوم ہوتا اور اوسکی اردلی میں چار ہزار سوار تھے
میں سے دو ہزار ترک تو خود اوسکے نوکر اور دو ہزار بادشاہ کی طرف سے مقرر تھے لیکن
بسا اپنے مکان پر جاتا تو اوسکی حالت بد لجاتی تھی اوس نے تمام عمر اپنی تنخواہ سے ایک
بیسہ اپنی ذات پر خرچ نہیں کیا اور گو ایسے جاہ و مرتبہ پر پہنچ گیا تھا لیکن اوس نے اپنے شریف
یشہ تجارت کو ترک نہیں کیا بلکہ اوسکی کسب معاش کا ذریعہ سمجھتا رہا۔ ایران سے جب
ہندوستان آیا ہے تو اوسکے پاس چالیس ہزار لاری تھے اور اسی راس المال سے
اوس نے اپنے کاروبار و تجارت کو مرتے دم تک قائم رکھا تجارت سے جو نفع ہوتا
تھا اوس میں سے ہر روز زیادہ لاری اپنے خرچ کے لئے نکال لیتا تھا اور جو باقی رہتا تھا

اوسمین سے کچھ تو اپنی مان اور عزیزوں کو اور کچھ مختلف جگہ کے زاهدوں اور عالموں
 اور واجب الرعایت لوگوں کو بھیجا کرتا تھا جن سے انسانی فہرین ملاقات ہوتی تھی۔
 خواجہ جہان کے اس خزانہ کا نام ”خزانہ درویشان“ تھا اور اسکے سوا ایک سرخزانہ تھا
 جسکا نام ”خزانہ شاہ“ تھا اوسکی کیفیت تھی کہ جو کچھ جاگیر سے وصول ہوتا تھا اور یہ امر
 بھی قابل ذکر ہے کہ اوسکی جاگیر میں تیس ہزار گاؤں تھے (۱) اوسمین سے گھوڑے ہاتھیوں
 اور سرکاری باورچیخانہ کا ایک مہینہ کا خرچ نکال لیتا تھا اور باقی کو ”خزانہ شاہ“ میں
 جمع کر کے اوسکو بھی فقر و مساکین میں تقسیم کر دیتا تھا اپنے خرچ کے لئے ایک کوڑی بھی
 نہ کہتا تھا اگرچہ مطبخ سرکاری میں عمدہ عمدہ کھانے پکاتے تھے مگر وہ اذکو جکتا ہی نہ تھا
 اوسکے لئے صرف ایک قسم کا کھانا پکتا تھا اور وہ بھی مٹی کی ہانڈی میں۔ آرام و آسائش
 کی یہ کیفیت تھی کہ پلنگ پر بھی نہ سوتا تھا بلکہ زمین پر چٹائی بچھا کر پڑھتا تھا اس شخص
 کی پیرایوٹ لایف بالکل ایسی تھی جیسی کسی فقیر یا اہل اللہ کی ہوتی ہے جو فرق کہ ایک
 عمدہ دادرس کار کی سیلک اور پیرایوٹ لایف میں ہونا چاہئے اوسنے اوسکو خوب
 سچا ہوتا اور وہ جانتا تھا کہ تنخواہ جو سرکار خزانہ سے ملتی ہے وہ اپنی زندگی آرام و آسائش
 سے بسر کر کے لئے نہیں ہوتی بلکہ رفاہِ خلائق کے لئے ملا کرتی ہے۔ کسبِ حلال کا

ایسا شایق تھا کہ باوجود اتنی شردشت کے اوس سنا اپنے پیشہ کو ترک نہیں کیا۔ غالی توبت
 مسجد و مدرسہ میں طالب علموں اور عالموں اور فقہروں کی محبت میں گزارتا تھا، ورنہ
 اور دوسری قبر کے راتوں کو ہمیں بد مکر اشرفیوں کی قیسیاں ایک نام شہر میں گشت
 لگاتا تھا اور عاجزون اور بے فزا لوگوں کو دیکر اُن سے کہتا تھا کہ یہ یاد شاہ کا عطیہ
 ہے اوس کے قیام دولت کے لئے دعا کرو۔

اولاد سے جو دنیا میں بڑی دولت سمجھی جاتی ہے خدا نے اوسکو محروم کیا
 تھا اوس کے تین بیٹے تھے بڑے کا نام علی تھا جو اس قدر لائق ہوا کہ باپ کی زندگی ہی میں
 ملک التجار کا خطاب ملا اور ایک دفعہ راجہ بیجا نگر کے مقابلہ میں بھیجا گیا اوسکا بھتیجا بیٹا
 عبداللہ حسین شاہ گیلان کے یہاں ملازم تھا اور اوسکی سفارش میں خواجہ جہان علیاں
 گیلان کو اکثر خطوط لکھا کرتا تھا اور جب آخر میں وہ بدر راہ ہو گیا تو اوس نے سلطان
 علاء الدین والی گیلان اور اوس کے وزراء کو اکثر خطوط اوسکو راہ راست پر لائے
 لئے لکھے۔ اوس کے چھوٹے بیٹے کا نام الفغان تھا۔ اوس کے نام کے چند خطوط ریاض الفغان
 میں موجود ہیں جن میں وہ اوسکو تعلیم و تربیت کا شوق دلاتا اور بدر راہی سے متنبہ کرتا
 اور کہی کہی بہت سختی سے اوسکو سزائیں دلاتا ہے۔ ان خطوط کے دیکھنے

معلوم ہوتا ہے کہ اوس کو اپنی اولاد کی تعلیم و تربیت کا از حد خیال تھا۔ اعزّ او اقربا سے بھی اوس کو بہت محبت تھی اور اپنے بھتیجوں سے اکثر خط و کتابت کیا کرتا اور اپنے بڑے بھائی شمس الدین محمد کا بہت ہی ادب کرتا تھا۔

ترک و احتشام جب یوسف عادل خان شمس الدین قلعہ انور کی فتح کے بعد محمد آباد بیدر

آیا تو سلطان محمد شاہ اسقدر خوش ہوا کہ خواجہ جہان کو حکم دیا کہ ایک ہفتہ تک اوسکی دعوت و جہانی کرے اور کوئی تکلف و ہٹانہ نہ کرے خواجہ جہان نے عرض کیا کہ یہ باتین بغیر موجودگی بادشاہ کب نصیب ہو سکتی ہیں بادشاہ نے اوسکا مطلب سمجھ کر جواب دیا کہ پہلے یوسف عادل خان کی دعوت کرو اوسکے بعد ہمارا نمبر بھی آجائیگا۔ خواجہ جہان نے ایک ہفتہ تک یوسف عادل خان کو اپنے گہر جہان رکھا اور اوسکی مدد سے اپنے گہر کو خوب سجایا۔ آٹھویں روز بادشاہ بھی باجاہ و جلال خواجہ جہان کے یہاں آیا اور ایک ہفتہ جہان رہا چلتے وقت خواجہ جہان نے اتنے تحفہ تحائف بادشاہ کی نذر گزارے کہ سب لوگ حیرت میں رہ گئے۔ منجملہ ان تحفوں کے پچاس سو نیکے طباق تھے جو اتنے بڑے تھے کہ سالم بکرے کا کباب ان میں آجائے اور انکے سر پوش مرصع تھے اور سو غلام چرکس و دکنی و جیشی تھے جن میں سے ہر غلام کچھ پڑھنے اور لگانے بجانے سے واقف تھا۔ اور سو گھوڑے ترکی و عربی و عراقی تھے اور سو چینی کی دکانیاں اور پیالے گھے جو ایسے خوبصورت اور عمدہ تھے کہ

بادشاہوں کو بھی نصیب ہون یہ تھا افس تو بادشاہ کو دے اُنکے علاوہ امر کو بھی
 حسب حیثیت بیش قیمت ہر ایسے دے اور اُسکے بعد نقد و بے سند سے جو کچھ گھر میں تھا بادشاہ
 کے سامنے پیش کر کے کہا کہ ”یہ جو کچھ ہے سب بادشاہ کا ہے سلطان کو اختیار ہے جسے
 چاہے بخش دے“ سلطان محمد شاہ یہ دیکھ کر بہت خوش ہوا اور اُس نے ازراہ عنایت
 فرمایا کہ ”میں بے قبول کر کے ہر ایسی شخص کو بخش دیا جو اُسکا سب سے زیادہ مستحق ہے“^(۱)

غور و انکسار | جب فتح کوکن کے بعد خواجہ جہان محمد آباد بیدریا اور بادشاہ اُسکے یہاں رہا
 رہا اور اُسکے چاہ و منصب میں اس قدر ترقی ہوئی کہ آج تک کسی کو یہ درجہ نصیب نہ ہوا تھا
 اور ملکہ خند و مر جہان نے اُسکو بہائی کہا تو بادشاہ کے جائیکے بعد اس قدر معنوم ہوا کہ ایک
 کوٹھری میں بند ہو گیا اور کپڑوں کو پہاڑ کر ٹکڑے ٹکڑے کر دیا اور اس قدر رویا کہ بیہوش
 ہو کر زمین پر گر کر جب ہوش میں آیا تو فقیرانہ لباس زیب بدن کیا اور محمد آباد و بیدریا کے علماء
 و فضلا و سادات کو جمع کر کے جو کچھ مال و متاع تاجری و امیری کے زمانہ میں جمع کیا تھا
 انہیں تقسیم کر دیا اور اپنے پاس سو گنا بون اور اسب و فیل کے کچھ نہ کہا۔ ^(۱) تاج محمد
 جرجانی نے جو ایک مستند عالم اور خواجہ جہان کے مصاحبوں میں داخل تھے دریافت
 کیا کہ ”یہ کیا بات ہے کہ آپ نے سب مال تو وقف کر دیا مگر گنا بون اور ہاتھی گھوڑوں کو

باتہ نہیں لگایا۔ خواجہ جہان نے جواب دیا کہ جب سلطان محمد شاہ میرے گھر آیا اور بلکہ محدثہ جہان نے مجھے بھائی کہا تو شیطان نے میرے دل میں وسوسہ پیدا کیا کہ ”سمجھ میں کرے نیست“ اور وقت میں نے اپنے نفس پر لعنت کر کے بادشاہ سے بات کرنی موقوف کر دی بادشاہ نے دریافت کیا کہ یہ کیا کیفیت ہے میں نے عرض کیا کہ ”دل میں دروہے جس خفقان کو زور ہوا ہے“ بادشاہ سمجھا کہ میں بیارہو گیا اس لئے مجھے آرام کرنے کا حکم دیکر اپنے محل کو سدھارا۔ اسی لئے میں نے تمام جاہ و حشم کو جو غور کی جڑ ہے غارت کر دیا اور کتابوں کو اس وجہ سے رکھ لیا کہ یہ طالب علموں کے لئے وقف ہیں میرا مال نہیں۔ اور باقی گھوڑوں کا یہ حال ہے کہ وہ سلطان کا مال ہے۔ یہ بھی چند روزہ رعایت ہے کہ میرے پاس میں آؤں گا میں جائیں گے۔“ (۱)

علم خواجہ جہان محمود کا وان ایک اچھا خاصہ عالم تھا اور علوم متداولہ میں اس کی تحصیل پوری تھی خصوصاً ریاضی اور طب کا اس سے بہت شوق تھا۔ نظم و شعر پر بھی اچھی قدرت تھی۔ مگر حساب تو ایسا اعلیٰ تھا کہ اس زمانہ میں بہت ہی کم لوگوں کو ہو گا۔ اور اس کی خط بھی پاکیزہ تھا۔ اس نے زمانہ کے رواج کے بموجب اپنے خطوط کو ایک رسالہ کی شکل میں جمع کیا تھا جس کا نام ریاض^(۲) تھا۔

(۱) تاریخ فرشتہ۔

(۲) یہ کتاب شیخ بن یار بک نے درج حرم بن ناظم دفر کی کے کتب خانہ میں موجود ہے۔

رکھا اور ایک کتاب فن انشا میں لکھی جس کا نام مناظر الاثنا^(۱) ہے اور ایک دیوان غنچ نبات
 و تصاید کا لکھا۔ مگر معلوم نہیں کہ وہ دست برد زمانہ سے محفوظ ہے یا اوسے چاہ گناہی میں
 غرق ہو گیا۔ مسلمان مصنفوں کی تاک میں ہمیشہ لگا رہتا ہے لیکن اتنا تو معلوم ہے کہ ابراہیم
 درشتہ کے زمانہ تک اوسکے نسخے دکن میں کہیں کہیں نظر آجاتے تھے۔ شاخج کے ملنے کا
 تو اوست ایسا شوق تھا کہ اپنے وسیع تجارتی سفروں میں جہاں کہیں اوس کا گزرونا اوسکی صحبت
 ضرور فائدہ اٹھاتا چنانچہ دکن کو بھی اوسکو شاہ محب اللہ کی زیارت کا شوق لایا تھا۔ عالمون کی
 صحبت میں بھی اوسکو بہت مزہ آتا تھا اور اوسکی فیاضی اوسکو اپنا حلقہ گوش بنا سے رہتی تھی
 حاجید المکریم سہدانی جس نے اپنی شکرگذاری کو خواجہ جہان کی مفصل سوانح عمری لکھ کر ثابت کیا^(۲)
 اوسکے معقدان خاص سے تھا۔ ملا شمس الدین اوس کا ندیم اور ملا دم تھا۔ نامور شاعر ساجی
 مصاحبون میں داخل تھا۔ اور ملا نظیری^(۳) پر بھی جو اوس زمانہ کا مستند شاعر تھا خواجہ جہان
 اس قدر بہرہ ران تھا کہ اوسکو بادشاہ سے ملا شمس کا خطاب لے لیا اور اکثر علمای عراق
 و خراسان سے بھی اوسکی ملاقات تھی اور اوسکو ہمیشہ تحفہ و ہدیہ سے یاد کرتا رہتا تھا۔

(۱) یہ کتاب مشہور ہے اکثر تلاش سے دستیاب ہو جاتی ہے۔

(۲) اس کتاب کا ذکر ملا ابوالقاسم درشتہ نے کیا ہے مگر اس زمانہ میں باوجود تلاش کے دستیاب
 نہیں ہوئی۔

(۳) یہ کتاب بھی باوجود سخت تلاش کے دستیاب نہیں ہوئی اور اس سے بہت قیمتی مدد ملی۔

(۴) اس نظیری کو کہیں ملا نظیری مٹیا پوری نہ سمجھا جائے جو بہت بعد میں گذر رہا ہے۔

اس زمانے کے سب سے مشہور شاعر ملا عبد الرحمن جامی کو خواجہ جہان سے بہت خلوص تھا۔

انشاء جامی^(۱) میں ایک خط نظم میں خواجہ جہان کے نام کا موجود ہے جس کے ذریعے سے ملا جامی

اپنی ایک تصنیف (غالباً تحفۃ الاحرار) اس کی نذر گذرائی تھی۔ اوہونے ایک قصیدہ بھی خواجہ

جہان کے ایک خط کے جواب میں لکھا تھا جس میں اس نے مولانا کو سید انکی دعوت سی تھی کا مطلع یہ

مرحبا ای قاصد ملک معانی مرجا | الصلا کر جان دل نزل تو کرد مہرجا

اور اصل مقصود کو اس طرح ادا کیا ہے۔

گر مجال گفتگو باشد در آن حضرت تر

ز آرزوے عاشق مفلس بوصل کیا

گر مچون خسگر زمین سوز ندچون آتش ہوا

شوق من اندون بود سوی قلی ہجر عطا

شہر بیدر را چنان در بست بر روی قضا

جذب شوق از پیش روی دفع اضداد ازا

بعد تبلیغ سلام از بندہ جامی عرض کن

کار زوے من بدیدارت بے کاملتر است

تشنہ را در باد یہ روزی کہ باشد از موم

میل دل دانی چنان باشد بسوی آبان

نیست در شہر شما از بھد منہ زار

از گران جانی نیارم سویت آدور نہ ہست

اور ایک قطع میں فرماتے ہیں

پود آن حسن ادا لطف معانی تارش

شرف غز قبول ملک التجارش

جامی اشعار و لایز تو جسے بہت لطیف

ہمہ قافلہ ہند روان کن کہ رسد

خواجہ بہان کی فیاضی رویہ ہی پر تعدد نہ تھی بلکہ بس حیات بخش چشمہ سے خود سیراب تھا اور
 سے دوسروں کا محروم رہنا بھی نہ دیکھ سکتا تھا۔ اوس نے شہرِ نعم آباد بیدر میں ایک
 نہایت عالی شان مدرسہ بنایا، یہ تعمیر کیا۔ یہ عمارت نہایت تکم اور رفیع الشان
 اسکا طول شہر قانوغا (۷۵۱) اور عرض شمالاً و جنوباً (۵۵) گز ہے۔ مدرسے کے ساتھ
 دو بلند مینار تھے جنہیں سے ایک مینار اب بھی موجود ہے جو (۱۰۰) فٹ بلند ہے اور اوپر
 سبز و زرد زمین پر سفید حروف میں کلام اللہ کی آیتیں لکھی ہوئی ہیں۔ صحن میں مسجد بھی
 یہاں طرف سے احاطہ سے ملے ہوئے تھا اور فضلا و طلباء کے رہنے کے لئے کھانا و حجرے
 تھے اور جو طالب علم مدرسے میں رہتے تھے انکو کھانا اور کپڑا وقفے سے ملتا تھا

(۱) گذشتہ تعلیم میں اور حال میں سفرِ نادر روم و مصر و شام میں مسلمانانِ ہند پر یہ الزام لگایا گیا۔
 کہ انہوں نے کسی اسلامی مدرسے کی بنیاد نہیں ڈالی حالانکہ یہ بالکل غلط ہے۔ مدرسہ
 محمدیہ بیدر تمام دنیا کے اسلام میں مشہور ہے اور اس کے علاوہ تمام مسیحین اور خاندانِ
 ہی ہوتی ہیں اور قدیم اسناد کے ملاحظہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ خاندانوں اور مسجدوں کے متعلق
 خاص مہاشین مدرسوں کے نام سے ہی ہوتی ہیں چنانچہ بعض مقبرہ تو ابھی تک مدرسہ ہی کہلاتے
 ہیں۔ جیسے دہلی میں ہارون کا مقبرہ آج تک مدرسہ کہلاتا ہے۔ اسکے علاوہ کوئی بڑی
 ایسی نہیں ہے جس میں طالب علموں کے رہنے کے لئے متعدد حجرے نہ بنے ہوں اور بڑے
 بڑے شہروں میں عالی شان مکانات بھی خاص مدرسے کے نام سے موجود ہیں۔ چنانچہ
 دہلی میں بھی بعض ایسے قدیم مدرسے موجود ہیں فقط

(منظرِ شریف)

مساکین اور نوواردوں کو ہر روز لنگر پاتا تھا۔ سرچر ڈیٹیل نے اس مدرسے کی نسبت کہ ہے کہ ہندوستان کی قدیم عمارتوں میں جو اس وقت موجود ہیں یہ عمارت بہت ہی اور بے مثل^(۱) ہے۔ یہ عمارت اس قدر مستحکم تھی کہ اس پر گرم و سرد زمانہ کا اثر نہ پڑا لیکن اورنگ زیب کے زمانے میں اس کے چند حجروں میں باروت کا میگزین بنایا گیا تھا کہ ۱۱ رمضان ۱۱۷۱ھ کو اس کے وقت بجلی گری اور مدرسے کا ایک حصہ اور اندرونی بیرونی مکانات سے مسجد اور ایک مینار کے باروت میں آگ لگ جانے سے اور گئے با مکان اور ایک مینار اب تک باقی ہے۔ مدرسے کے اندر دیوار شرفروہ پر نقوش چینی میں خطاطی سے نیلے رنگ کی زمین پر سفید حرفوں میں کلام اللہ کی سورتیں لکھی ہیں۔ مدرسے کے متعلق ایک چوک بھی تھا جو ابھی تک موجود ہے گو کہ دیرانی کے عالم اپنے بانی کے زمانے کو یاد کر رہا ہے۔ مدرسے کی بناء ایسی نیک نیتی سے پڑی تھی سرکار عالی کی قدامت پڑوسی کی بدولت ٹل اسکول کے اس کے ایک حصہ میں قائم ہوئے خواجہ بہان کا فیض اب تک جاری ہے جس قبول کی یہ دلیل کیا کم ہے کہ مدرسے کی تعمیر کا تاریخ بھی ایک ایسی آیت سے نکلے جو بانی کی نیک نیتی پر شہادت دے رہی کہ سائنسی گہنا

(۱) سرچر ڈیٹیل کا معرنا مچھدر آباد کو مشہور و شکم۔

(۲) صاحب مائثر برہانی نے اس تاریخ کو محمود بدر شیرازی سے منسوب کیا ہے۔

قطعة تاج

این مدرسہ رنج و محمود بنا	چون کعبہ شد ہست قبلہ اہل صفا
آثار قبول بین کہ شد تارخیش	از آیت ربنا تقبّل مِنّا

مدرسے میں خواجہ جہان دوسروں ہی سے درس و تدریس کا کام نہ لیتا تھا بلکہ خود بھی پڑھایا کرتا تھا۔

مناظر الانشاء یہ رسالہ خواجہ جہان محمود گاو ان نے فن انشاء میں لکھا ہے اور اسکے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اوس زمانے میں علم انشاء کا تصور کیا تھا۔ اس میں ایک مقدمہ۔ دو مقالے۔ اور ایک خاتمہ ہے۔ مقدمہ میں تو علم انشاء کی تعریف اور غایت اور اسکے لوازمات بیان کئے ہیں۔ اور پہلے مقالے میں اہل انشاء کے طریقہ پر کلام کی تقسیم کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ کن شرائط سے کلمات کا استعمال کرنا چاہئے دوسرے مقالے میں اقسام و ارکان و شرائط مکاتیب کو بیان کیا ہے اور خاتمہ میں خط کی ماہیت اور ضوابط کا بیان ہے۔

اس کتاب میں خواجہ جہان محمود گاو ان نے اپنے اختراعات کو دخل نہیں دیا، بلکہ جو مستند کتابیں عربی زبان میں اس فن کے متعلق موجود تھیں ان کا اقتباس کر کے فارسی ترکیبوں سے مطابق کیا ہے۔ انشاء کی یہ تعریف کی ہے کہ وہ

ایک مہم ہے جس سے خطبہ رسائل کی تراکیب منثورہ کے معائب محاسن اس حیثیت سے پہچانے جاتے ہیں کہ وہ خطبہ رسائل کی تراکیب منثورہ ہیں اور اسکی غایت یہ ہے کہ تراکیب شریعہ کے معائب محاسن کی پہچان ہو۔ اس تعریف اور اس غایت سے ظاہر ہے کہ اس علم کا تقو علی طور پر زمانے کی الٹ پھیر سے کہاں سے کہاں پہنچا ہے۔

خواجہ جہان نے محاسن کلام کو نہایت تفصیل سے بیان کیا ہے اور بتایا ہے کہ فصاحت کیسے کہتے ہیں اور اس کے لوازمات کیا ہیں۔ صنایع و بدائع کی حقیقت کیا ہے۔ کلمہ اور اس کے بفقہ کے فصیح ہونے کے لئے کیا کیا چیزیں ضروری ہیں۔ اور ہر چیز کی مثالیں شریں زیادہ تر اپنے عربی و فارسی کلام سے۔ اور نظم میں شعرا سے عربی عجم کے نامور کلام سے دی ہیں۔ مثالوں کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ معلومات کس قدر وسیع تھا اور استادوں کے کلام کا ادسنے کیسی عمیق نظر سے مطالعہ کیا تھا۔ عربی میں اس کے اکثر مثالیں امراء القیس۔ تنبی

ابو تمام۔ ابو نواس۔ ابن بابک۔ ابوالبرکات۔ ابن مہشر۔ ابن سکرہ۔ ابن جہ حموی۔ ابو الطیب۔

ابی الاسود۔ ابوالاعلام عسری۔ صفی الدین علی۔ قاضی فاضل مصری۔ قاضی عضد الدین۔ ابن اصبح مصری۔

وغیرہ کے کلام سے دی ہیں۔ اور فارسی میں۔ اسدی۔ اوزی۔ ظہیر فاریابی۔ سعدی۔ حقا

سلمان ساوجی۔ کمال اسماعیل۔ خلاق المعانی۔ شرف الدین یزدی۔ شاہ

خوجہ کرمانی۔ بابا سودائی۔ ابن حسام۔ جمال ترکی تبریزی۔ کاتبی۔ نظیری۔ امیر خسرو

وغیرہ کے کلام کا حوالہ دیا ہے اور جو اشعار کہ وچ کئے ہیں وہ ایسے منتخب اور پر مضمون ہیں کہ جسے اس کے مذاق کی خوبی ثابت ہوتی ہے۔ مثلاً لو کہے علاوہ موقع محل سے اس نے یاد شاہوں کی حکایتیں اور لطائف و ظرائف بھی وچ کئے ہیں جسے اس کی تاریخی وقعت معلوم ہوتی ہے۔ فنی کی یہ تعریف کی ہے کہ ”اس کو کیفیت راسخ ہو چکے۔ یہ سے وہ ایسے طریقے سے جو بے لعل و نزدیک پسندیدہ ہو اس مطلب کو ظاہر کر سکے جس کا ظاہر کرنا مقصود ہو“ اور فنی ہونیکے لئے شرائط یہ ہیں کہ (۱) فکر سا۔ حافظہ قوی۔ اور طبیعت تیز ہو (۲) بے لعل، کی ترکیب کی کثرت سے شیع کی ہو (۳) فاضل کے بلیغ اشعار کو نشر کیا ہو (۴) حافظ قرآن ہو یا اکثر آیتیں کلام اللہ کی یاد ہوں اور عمدہ عمدہ احادیث اور پر مضمون اشعار اور پر حکمت لطیفے اور ضرب المثلیں کثرت سے زبان پر ہوں (۵) الفاظ کو ادھین معنی میں استعمال کرنے کی قدرت رکھتا ہو جنہیں بے لعل نے استعمال کیا ہے (۶) جو غلطیان کہ جہلا کی زبان و قلم سے شائع ہوں ان سے احتراز کرے (۷) ثقیل الفاظ و ترکیب کے استعمال سے بچے (۸) جو الفاظ استعمال کرے ان کو معنی مقصود کے ساتھ مناسبت تامہ ہو اور آخر میں (۹) علم لغت عرب و صرف و نحو و معانی و بیان سے بخوبی واقفیت رکھتا ہو۔ غرض کہ فنی ہونے کے لئے نہ صرف اعلیٰ درجہ کے عالم ہونے کی ضرورت تھی بلکہ یہ بھی لازم تھا کہ انسان کے حافظہ اور ذہن کی اعلیٰ درجہ کی تربیت ہوئی ہو

اوسکے بعد اوس نے خطوط کی تقسیم بلحاظ کاتب و مکتوب الیہ کے درجہ کلمہ ہی اور بتایا ہے کہ ہر قسم کے مکتوب کے کتنے ارکان ہوتے ہیں اور اسکے لئے کتنی شرائط درکار ہیں غالباً اس بات کے معلوم ہونے سے معاصرین کو حیرت ہوگی کہ معمولی خطوط جو ہم روزمرہ لکھا کرتے ہیں اونکے چودہ ارکان اور پندرہ شرائط ہیں معمولی خط کے ارکان یہ ہیں (۱) لفظ جو پیشانی پر لکھا جائے (ہو اللہ یا ہو الکرم وغیرہ) (۲) ثناء (۳) وعاء (۴) اسم مکتوب الیہ (۵) ذکر کاتب (۶) سلام و تحیت (۷) ابلغ سلام (۸) اشتیاق (۹) طلب ملاقات (۱۰) تاریخ (۱۱) اعلام حال (۱۲) توقع و التماس (۱۳) مقدمہ اختتام (۱۴) اختتام بدعاء اور شرائط یہ ہیں (۱) مکتوب حرف یا موحدہ سے شروع ہو یا لفظ ”را“ اسم مکتوب الیہ کے ساتھ لایا جائے جیسے بحضرت یا فلانزا (۲) رکن ثانی میں پہلے چار فقرہ فارسی ہوں اور اسکے بعد عربی (۳) القاب کاتب و مکتوب الیہ کے درجہ کے مناسب ہو (۴) اگر مکتوب الیہ سلطان اور گزدار وزیر یا امیر ہو تو مکتوب الیہ کا نام نہ لکھے (۵) مکتوب الیہ کے دشمنوں کو جو بدو حادثی اوسکے بعد مکتوب الیہ کا نام نہ لکھے (۶) اگر مکتوب الیہ بادشاہ اور کاتب زیر ہو تو گزدار ہفتم میں ابلاغ یا ارسال کے الفاظ نہ لکھے بلکہ اپنے مضمون کو بطریق تواضع دوسری طرز پر ادا کرے (۷) اگر مکتوب الیہ اعلیٰ اور کاتب ادنیٰ ہو تو رکن ہفتم و ششم کی بجائے

انہار خلوص و اعتقاد کرے (۸) اگر زمان مفارقت طویل نہو تو رکن اشتیاق نہ لکھے
 (۹) اگر بعد مکان یا زمان درمیان نہو تو رکن تالیف کو حذف کر دے (۱۰) اگر کتاب
 ادنیٰ اور مکتوب الیہ اعلیٰ نہو تو رکن اعلام احوال اسطرح پر لکھے ”بر خدام فلک بارگاہ
 وغیرہ“ (۱۱) اگر دہاء، ابتدائیں آگئی نہو تو آخرین رکن دہانہ لکھے۔ (۱۲) اگر
 مکتوب شرط سے مزین نہو تو جواب شرط میں لفظ ”باد“ کا استعمال نہ کریں بلکہ
 ایک فقرہ لکھیں جہیں تین لفظ یا تین سے زیادہ لفظ ہوں یا اسی قسم کے دو فقرے
 لکھیں (۱۳) اپنے اور مکتوب الیہ دو فنون کی نسبت ضمیر غائب استعمال کریں
 (۱۴) اگر کتاب و مکتوب الیہ مساوی ہوں تو مکتوب الیہ کا ذکر لفظ جمع سے کریں
 (۱۵) اگر رکن ذکر کتاب محذوف کیا جائے تو اعلام حال میں اسطرح نہ لکھیں
 کہ ”بلغ و مرسل میگرواند“ بلکہ یوں لکھیں ”بلغ و مرسل دہشتہ شد یا می شود“۔
 اس زمانہ کے لوگوں کو جو اعلیٰ درجہ کی افشا پر داری اسکو سمجھتے ہیں کہ اپنے جذبات
 دلی کو مختصر سے مختصر الفاظ میں سید سے سادہ طور پر ادا کر دیں۔ اس تشبیح سے
 خیال ہو گا کہ تصنیف کی اعلیٰ درجہ کی ترقی ہے کہ ایک معمولی خط بھی بلا اتنی قیود کی پابندی
 کے نہ لکھا جاسکے۔ لیکن یہ کوئی عیب نہیں ہے زمانہ کی خصوصیات ہیں۔ اگر
 کسی قوم کی افشا پر داری پر مدعا نظر ڈالی جائے تو معلوم ہو گا کہ جب کوئی قوم صحرا

دھشت سے نکل کر میدانِ ترقی میں مگر رہتی ہے تو انسان کی جسم کی طرح جذبات بھی ترقی کرتے ہیں اور عالم
 ظہور میں آئیکے لئے الفاظ کے محتاج نہیں ہوتے لیکن جب سری ترقی یافتہ قوموں میں
 جل و عیش و عشرت اور تکلفات کی طرف میلان پیدا ہوتا اور ابتدائی اخوت کی بجائے جدائی
 ہو جاتی ہے تو لیرچر میں بھی حقیقت میں قومی اخلاق و طرز معاشرت کی سچی تصویر ہوتا ہے وہی رنگ
 آجاتا ہے اور جذبات اور ان کے سیدھے سادے اظہار کو بے اثر سمجھ کر صنائعِ لفظی و معنوی کی
 طرف توجہ ہوتی ہے لیکن کچھ طبیعت کی اصلی افتاد کے بدلنے کے لئے بہت عرصہ درکار ہے اسلئے
 پھر بھی اس زمانہ انقلاب میں لیرچر میں ایک خاص بات باقی رہتی ہے لیکن جب اس سے بھی آگے بڑھ کر
 قومی اخلاق دولت مند مٹی عیش و عشرت کے طوفان خیز موجوں سے ٹکر کر پستی کی حالت کو پہنچتا اور قوم
 کی اصل استعداد خود داری کو مفقود کر کے تقلید و غلامی کی زنجیر و زنجیر بکڑ دیتا ہے تو وہی سماں لیرچر
 میں بھی نظر آنے لگتا ہے۔ لوگ ایجا پسندی کو عیب اور بجا اپنی طبیعت پر زور دینے کے مسلم
 الثبوت استادوں کے کلام کی تتبع کو مایہ امتحار سمجھنے لگتے ہیں۔ ہماری لیرچر کی بھی یہی کیفیت ہے
 ابتدا میں قومی طرز معاشرت کی سادگی لیرچر پر یہی محیط تھی لیکن جب شخصی سلطنت قائم ہوئی اور
 شخصی رعب و داب دولت مند نے درجہ بندی کا سلسلہ ڈالا اور دوسری ترقی یافتہ قوموں
 سے میل جول ہوا اور ایرانی اور رومی تکلفات جبکہ ہمارے قومی تخیل کی گلا گھسانے اور بھی پر رونق بنا
 رہا ہمارے معاشرت کا جزو بن گئی۔ مٹی کے جہ پڑوں اور چمڑے کے خیموں کی بجائے عمارتوں

محل ہر طرف نظر آنے لگے جنگی دیواروں پر بجائے سفید قلعی کے پتھری اور مینا کاری
 اپنی بہار دکھاتی تھی تو لٹیر پھر مین بھی وہی کیفیت پیدا ہو گئی جذبات سے قطع نظر اور
 توہم و تخیل کو زور ہوا اور بجائے معنی کے الفاظ کی پرستش ہونے لگی۔ تقلید کو سلام
 اور مسلمانوں کے ساتھ کچھ خصوصیت سی ہو گئی ہے اس رنگ پر اور بھی دغ
 چڑھاتی اور پائدار کرتی رہی۔ مختصر یہ ہے کہ جو فرق بہ لحاظ طرز معاشرت کے
 خلفائے راشدین و خواجه محمود گادان کے زمانوں میں تھا وہ لٹیر پھر مین بھی نمودار تھا۔
 اس زمانہ کی سادگی کی بجائے اس زمانہ میں تصنع اور خالص جذبات کے اظہار کی بجائے
 توہم و تخیل کی گل افشانیاں تھیں جنہوں نے مختلف آب و ہواؤں کے آغوش میں
 پائی تھی۔ اس زمانہ میں قدرتی حسن کا جلوہ انکھوں کو خیرہ کر نیکے لئے کافی سمجھا جاتا
 تھا لیکن اس زمانہ میں بال کی کہاں نکالنا سونے پر جلا اور گلاب کی نازک پتیوں کو
 نقش و نگار سے آراستہ کرنا قومی مذاق کے مطابق تھا۔ الفاظ آٹھ اظہار مطلب
 نہ تھے بلکہ ذریعہ اخفاء تھے قوتِ مدد کہ کو براہ راست مخاطب کرنا عیب اور نقص
 کو تخیل و توہم کے پیچہ دار اس سبب جو بظاہر الفاظ کے ایک خوشنما و با ترتیب سلسلہ میں
 مقید ہوتا تھا ذہن میں منتقل کرنا خوبی تھا۔ اس زمانہ میں سوائے طبیعت خدا کو
 کوئی استناد نہ تھا اس زمانہ میں طبیعتِ اری اسی کا نام تھا کہ ماسبق لوگوں کے کلام

ایسی تشبیح کی جائے کہ پہچاننا دشوار ہو۔

شاعری

خواجه جهان کی تصنیفات سے صرف ایک کتاب ہے جو ہر کو نہیں مل سکی

اور وہ اوسکا دیوان ہے لیکن اوسکی انشاء اور تذکرہ صائق السلاطین سے استفادہ

بہم پہنچ گیا ہے کہ اوس کے کلام کی نسبت صحیح رائے قائم کیا جاسکتی ہے۔ اوس نے

فن شاعری میں بھی شریکِ طرح بہت محنت اور مسلم الثبوت استادوں کے کلام کی

اتباع کی تھی چنانچہ ایک موقع پر اوس نے ریاض الانشاء میں تین قصیدے لکھے ہیں

جن میں سے دو قصیدے فارسی میں ہیں جو کمال الدین اصفہانی اور حکیم الدین الویری کی

طرز پر اور ایک بریلج الزمان ہمدانی کی طرز پر عربی میں ہے۔ جیسی کثرت و بے تکلفی سے

اوس نے عمدہ و منتخب اشعار کا بجا اپنے خطوط میں لکھے ہیں اوس سے معلوم ہوتا ہے

کہ اوس نے استادوں کا کلام بہت کثرت سے پڑھا تھا اور صد ہا بلکہ ہزار اشعار

اوس کو یاد تھے یہ ظاہر ہے کہ اوس کو بھی فن شعر میں اعلیٰ درجہ پر پہنچنے میں بہت خل

ہے اگرچہ زمانہ کی رفتار کی موجب صنائعِ لفظی و معنوی اور الفاظ کی بندش و نشست

و برخاست کی طرف اوس کو بہت توجہ تھی لیکن اوسکی طبیعت دراصل حقیقت پسند و ق

ہوئی تھی اسلئے محض شاعرانہ مبالغہ و تکلفات کو اوس کے کلام میں چندان دخل نہیں ہے

کثر اوقات الفاظ کے نقاب کے نیچے سے دنیاوی تجربے اور حرکتِ نصیحتیں اور لطیف

جھگڑے کہا جاتے ہیں۔ نقوف کا روغن بھی اوسکے کلام پر چڑا ہوا تھا قصاید میں
 وہی چست بند تھا وہی پر نور سیل آسا روانی وہی پر شکوہ الفاظ وہی بلند پرواز
 مبالغہ اور وہی تشبیہ استعارہ کی کثرت وہی تکلفی موجود ہے جو اس قسم کے کلام
 کے لئے مخصوص ہیں۔ لیکن اس سے یہ نہ سمجھنا چاہئے کہ خواجہ جہان قدرتی شاعر تھا
 اگر اوسکے کلام کو اصلی معیار سے دیکھا جائے تو معلوم ہو گا کہ اوسکو باطبیع شاعری
 کی طرف میلان نہ تھا بلکہ جو کچھ اوس نے لکھا ہے وہ اوستادوں کے کلام کی فراغت
 و تسبیح کا نتیجہ ہے۔ اوسکے کلام میں اس وہی قوت کا پتہ بھی نہیں ہے جو ایسے
 ایسے خیالات کا خوشنما مرقع انسان کی آنکھوں کے سامنے کھڑا کر دیتی ہے
 جو ہر شخص کو اپنی اصلی مگر پوشیدہ جذبات کا آئینہ معلوم ہوتا اور نگہ رشتہ اور
 موجودہ کی قیود سے آزاد کر کے ایک نئے سرے عالم میں پہنچا دیتا ہے۔ اگر
 شاعری کا مبدا و منتہی صناعتی ہوتا تو بیشک وہ اعلیٰ درجہ کا شاعر سمجھا جاسکتا تھا
 لیکن چونکہ شاعری کا دار و مدار وہی قوت ہے صناعتی جسکی آئینہ بردار ہے
 اسلئے اوسکو اعلیٰ درجہ کے شاعروں میں جگہ نہیں مل سکتی۔ خواجہ جہان عربی
 میں بھی فارسی کی طرح بہت اچھے شعر کہتا تھا۔ مندرجہ ذیل اشعار سے اوس کا
 عام انداز کلام معلوم ہو گا۔

در وصل تو صد هزار صاحب هست
 آنکس که بیافت دولتی یافت عظیم
 ششم بر آب چشمه اخلاص مهر دوست
 گریه نقاب دیده دل وید رودست
 از بسکه اشک دشمنست جمله جهان اگر در
 گر میکنی عمارت این دل که شد خراب
 در جو بار عقل چو نجبت شود بلند
 ای دل از سیل فنا بنیاد هستی بر کند
 قصر قدر کان بدست قدرت حق شد بلند
 در امید وصل را و در حیات من صدف
 چتر روان تخت دل بے جم عشق نیست
 جیب لباس عسرا نگه بومش کفش
 هر دو عاینگه شد از بنده بحضرت مرجع
 کسی غیر تو چون رخ کند که در همه حال
 حاضر چو گشت نقد روان آتش همان

تا خود بوصول تو کرا و سترس است
 و آنکس که نیافت در دنیا یافت بستر
 از لوح جان صفحہ دل ہرچہ غیر است
 کافر دست گر نظرش جز بسوی اوست
 در زیر رانت خنک چرخ افتان خیزان
 انوار مہر بر دل حیران میناب
 از تند باد حادثہ کے میرسد گزند
 چون ترانہ است کشتیان طوفان غم خور
 کے رسد از تیشہ مکرگان آرا گزند
 ناوک شست شوق را دل شد طاق جان
 بے خط و ابرع عاشقی با و سواد تن تلف
 بندم از آنکہ آیدم دامن زندگی بکف
 مستجاب است یقین چون بود از فرط خضوع
 کسی بغیر تو باشد نیز عقل محال
 باشد بنام عشق تو تا لامکان روان

<p>یافت زو بوسه بگام بوی خوش گریخت زان پوشید دینست از تو شعار و دنا من نقاط و حرف که دامن است زان</p> <p>کنوز درد و غم کانیت لاد در دل مخزون چون پوشید به بالاش کم بود به پیش وز چشمه حیات خود آب حیات نوش لیک نور مهر با ذرات و اردا هستی که از جنس جوهر بود یا قوت شهلا فی بر که افتد که تو یکدم نگرانش باشی</p>	<p>بویان غنچه شکل و رنگه بوی آن دهان عشقست خمیر من و داغ بردوخ کعبه ترسانه روحانیان را ز طرف حرف افزون است نطق فلکی کسوت عشق تو در قامت ل میبیم علم است چمن حیات ابدای پیر کوش گر نظر بر من کنی دورم ز تو بیهوش ز مهرت گشت چمن با قوت حکم مگلش در خاک همه عالم نگران تا نظر بخت بلند</p>
--	--

قطعه

<p>از زلال طبع هر کس حاجت فواره نیست خزرگان خاطر م از طبع کس ز ناز نیست</p>	<p>چون حیاض خاطر م هست از سخا فیض جوهر عین الهی مگر مراد روح دهر</p>
---	--

قطعه

<p>ز انکه اینجا بود و باشد فضل فضل علم عار صورت ماهیت زشت بود این دیار</p>	<p>فضل و علم نقص عیب شد بهند و ستان چاک از بیاض لوح هستی محو بادا تا ابد</p>
--	--

رباع

پوشنوی سخن فن اگر بفعل آری	کلید گنج سعادت در آستین آری
وگر تو نصیحت بدیج دل نهی	بے خوری ز کف دهر سلی خوری

قصیده

شد شکل ضرب بخت بدوش من حائل	هیکل زحر ز سیفی و انگه هر اس میل
از پر تو جمالت دیوانه هستلبان	از رشته شفاعت سر تا پیا سلاسل
جانا ز است پایی در گل تا وید وید جان	در طوف گلشن دل آن شکل و آن شامل
بر شمعان دل آن شمع روان نهادم	تا ویدن رخت را بنود جهات حائل
دل با چراغ عشقت محراب قبله جان	تن بے خیال رویت جانراست چاه بابل
تیغ تو آب حیوان مردم حسرت آن	آری بے بخت من شد آب حیات قاتل
جان بحاف تن بود رفته بخواب غفلت	آمدند که برخیزد یا ایها المزلزل
بنگن کمند دحت بر قصر قدر شاهی	کا فکاک با کو اکب بر قصر دشت کهگی
سلطان محمد آن شه کز فرط کبر باش	در موقف غلامان صد بنجر طغرا

قصیده دیگر

ای مهربان نوال تو ام طالع ارازل	ای مهربان خنین غم از غفلت ابر
---------------------------------	-------------------------------

کے لایق عروض زوال بہت عشق بر صورتیکہ عقل تصور کند حسن	ما فی الازل چگونہ بود غیر لم یزل باشد بہ نزد معنی حسن تو مبتذل
--	---

ریاض الانشاء خواجہ جہان کی دوسری تصنیف کا نام ریاض الانشاء ہے جس میں
اوس نے اپنے خطوط کو جمع کیا ہے خواجہ جہان کو فن انشاء میں جیسا کہ مناظر الانشاء
کے ملاحظہ سے ظاہر ہے کامل دستگاہ اور وہ اس فن کے نکات پوری طرح
واقف تھا جو باتیں کہ خود اس کے قول کے بموجب ایک منشی کے لئے ضرور ہیں
سب اوس میں موجود تھیں۔ اس کی طبیعت تیز اور فکر رسا اور حافظہ آیات
قرآنی۔ احادیث نبوی۔ جربتہ اشعار اور پر حکمت ضرب الامثال کا مخزن
تھا۔ اوستادوں کے کلام کی تتبع اوس نے بہت کثرت سے کی تھی چنانچہ
مناظر الانشاء میں خود ایک موقع پر لکھتا ہے کہ اوس نے انوری و کمال اسمعیل
وسلمان کے اشعار کو غفوان شباب میں نشر کیا تھا۔ مسلم الثبوت استادوں کے
کلام کا اوس نے ایسی عمیق نظر سے مطالعہ کیا تھا کہ ایک ایک لفظ کے استعمال
کی خوبی سے واقف تھا اور علم لغت میں اس کو ایسی دستگاہ تھی کہ جب وہ
قلم اٹھاتا تو یہ معلوم ہوتا تھا کہ اب زلال کا ایک دریہ ہے کہ زور سے

(۱۲) اس کا نام تاریخ فرشتہ بن غلطی سے روضۃ الانشاء لکھا گیا ہے۔

موجہیں مارتا ہوا بہا چلا جاتا ہے۔ علم صرف و نحو معانی و بیان سے اوسکا واقف ہونا تو ضروریات سے تھا کیونکہ وہ فارسی کی طرح عربی میں بھی اعلیٰ درجہ کا ناظم و ناشر تھا۔ مناظر الانشاد میں اوس نے فصاحت کی یہ تعریف کی ہے کہ فصاحت کلام کے ضعف تا یف^(۱) و تنافر کلمات^(۲) و تعقید^(۳) لفظی و معنوی سے پاک ہونیکا نام ہے اور بلاغت کی یہ تعریف کی ہے کہ ”کلام کے حسب مقتضا مقام فصاحت سے مطابقت ہونیکا نام بلاغت ہے“ پس اگر اس معیار سے خواجہ جہان کی انشاد پر داری کا اندازہ کیا جائے (اور یہ ظاہر ہے کہ کسی دوسرے معیار سے نہ ہوگا) اوسکے کلام کا اندازہ کرنیکا حق نہیں ہے، تو معلوم ہوگا کہ اوسکے ہر لفظ اور ہر جملہ پر فصاحت و بلاغت کی تعریف پوری طرح صادق آتی ہے۔ اوسکا اندازہ بیان بالکل اپنے زمانہ کی طرز کے مطابق ہے۔ اوسمیں بھی وہی پر شکوہ الفاظ کی خوش آئند روانی۔ آیات قرآنی و احادیث نبوی و ضرب الامثال عربی کی دلچسپ رنگ آمیزی۔ اشعار جربستہ کا بر محل استعمال۔ صنایع لفظی و معنوی کی کثرت لطافت کے ساتھ شاعرانہ تخیل کی دلنریب گل افشانیاں۔ حفظ مراتب کا اعلیٰ درجہ کا خیال۔ اور اظہار مطلب کو ان سب امور کے

(۱) ضعف تا یف - کلام کا قواعد نحو کے مطابق ہونا۔

(۲) تنافر کلمات - کلمات کا زبان پر ثقیل ہونا۔

(۳) تعقید - ترتیب الفاظ کا ترتیب معنی کے مطابق ہونا۔

تاج کہنا پایا جاتا ہے گویا کہ اوس کے کلام کی نسبت کہا جاسکتا ہے کہ دست صنعت
 نے سبزہ خوابیدہ کا ایک سوار تختہ تیار کیا ہے جس پر کہیں تو سفید سنگریزوں کے گلکاری سے
 اور کہیں سنخ کی اور کسی مقام پر گل لالہ اپنی بہار دکھا رہا ہے اور کہیں زرگس کے
 پھول چشم انتظار ہیں اور کسی جگہ شفاف سیمین چشمے سرلی آواز سے بہہ رہے ہیں
 اور کہیں بورجی ضمین شفاف فوارے ساون کی جڑ کی طرح بھوٹ رہے ہیں۔
 مولانا عبد الرحمن جامی نے شاعرانہ انداز سے ایک موقع پر اوس کی انشا پر دایک
 کی تعریف کی ہے مگر اوس کا محصل بھی دراصل وہی ہے جو ہماری رائے کا ہے
 مولانا جامی لکھتے ہیں۔



نظم و نثر میں کہ پنداری سیر چرخ کرد
 عقد پروین را در اثنا بنات النش جا
 یا خود افتادست مخزنات گنج پر گھر
 بر بساط عرض بعض متصل بعض جدا
 فقرہای نثر او قوت دہشت ہنر
 نکھتہ نظم اور روشن گر شمع ذکا
 جو شخص کہ ایسے طرز بیان کا پابند ہو اوس کے کلام میں مشکل ہی سے اوس کے اصلی
 جذبات کا پتہ لگ سکتا ہے لیکن ریاض الانشاء کے مطالعہ سے خواجہ جہان کی
 نیک فہمی علم کے شوق علماء و صلحا کی صحبت کے ذوق خاندانی عظمت و جلال
 بادشاہ کے تقرب میدان جنگ کے کارناموں حوصلہ کی بلند پروازی اغراض کی

عجبت اولاد کی تربیت سب باتوں کی کیفیت معلوم ہوتی ہے اگر اس زمانہ کے لحاظ سے اس کی طرز بیان کو دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے کلام میں سب سے بڑا نقص یہ ہے کہ تھوڑے مضمون کو بہت سے الفاظ میں ادا کرتا ہے اور وہ بھی اس طرح کہ تشبیہ استعارہ و اقتباس کی کثرت و نزاکت کی وجہ سے مضمون کے سمجھنے میں وقت بے وقت کے خطوط کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کا دائرہ اتحاد بہت وسیع تھا اور سلطان و امراء و علماء و مشائخین سب طبقوں پر حاوی تھا۔ سلطانین میں سلطان ابوسعید گورکان سلطان مراد رومی سلطان حسین بیگ سے اور امراء و وزراء میں وزیر صدر الدین کبیر المخاطب بہ شرف الملک - صدر الدین شرف جہان - امیر جان شاہ اللاری - وزیر محمود شاہ رومی اور اس زمانہ کے اکثر دوسرے سلاطین کے ذرائع سے اور علماء میں شرف الدین علی یزدی - شمس الدین محمد اللاری - مولانا ابوسعید - قاضی صدر جہان - مولانا عبد الرحمن جامی - مولانا ابوبکر الطہرانی - شیخ محمود المندوی وغیرہ سے اور مشائخین میں خواجہ سید عبید اللہ - مولانا نعمت اللہ - شیخ صدر الدین الرواسی وغیرہ سے اور اپنے رشتہ داروں میں اپنے چچا اور دہتیچون عمدة الملک اور خواجہ برہان الدین اور اپنے تیوں بیٹوں علی عبد اللہ حسین اور الف خان سے خط و کتابت تھی۔ جو خطوط کہ اس نے اپنے بہتیچون کو لکھے ہیں اس سے معلوم ہوتا ہے

کہ وہ اوس کے قدر مالوف تھا اور اوسکو اپنی اولاد کی تربیت کا ایسا خیال کہ اوس
 جتنے خطوط کہ سلاطین گیدان کر لکھے اوس سب میں اپنے منہ سے بیٹے جدا کرتے ہیں کی سناش
 کی ہے اور التجا کی ہے کہ اوسکو بری راہوں سے بچایا جائے اور اپنے چھوٹے بیٹے الف
 کو تو جو خط اوس نے لکھا ہے اوس میں اوسکی بری عادتوں پر ملامت کی ہے اور رسول
 علم کی ترغیب دلائی ہے اور اسی طرح بڑے بیٹے علی کو بھی بہت سی شیں ہدایتیں کی
 ہیں۔ لیکن اوسکی سب سے مزہ دار خط و کتابت مولینا عبد الرحمن جامی کے خط تھی جن سے
 اوس کو دلی انس تھا اور کو کہی ہندوستان انکی دعوت دیتا ہے کہی کوئی قیمتی تحفہ
 بھیجتا ہے کہی طلب فیض اور کہی اظہار خلوص کرتا ہے ذیل میں ایک ایسا خط علی کا ہے
 کے نام کا درج کیا جاتا ہے جس سے نہ صرف اوسکا طرز تحسیر معلوم ہو گا بلکہ یہ ظہر
 ہو گا کہ اوسکے نزدیک حکومت میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے کونسی باتیں ضرور ہیں۔

نسخہ مکتوبی کہ بفرزند بزرگ خود علی مخاطب بملک التجار نوشت

اللہم کما جلتہ خلف الاشراف اجلہ بشرف الاخلاف وآیۃ من محاسن

الاوصاف اکثر ما ایتہ اللہ والاسلاف۔ چون آتش جان سوز عشق در کاؤں

دل اشتعال یافت و زبانہ آن از روزنہ دہان بر سطح مخروطی سان تافت۔ از

تراکم دخانش سوداے سودا نامہ در دماغ ناطقہ و سوداے دل خامہ امتاد

لیکن فی الحقیقت ۷ زبان ناطقه در شرح شوق مالاال هست ۸
 چه جای گلک بریده زبان بییده گوشت ۹ لاجرم بعلت این سودا خام که
 در سرشت روان نخر است منجواست که بر تنگی مصرع کما یتداوی شارب النحر
 بالنحر - در دو غم و اندوه بحر ابواب کلمات شوق آمیز نظم و نثر که است شفا از زانی
 شود اما بیبهاست بیبهاست که صورت صهباء صباست جان بامتنزاج زلال و
 سلسال مقال هست فقر و نقصان یابد ۷ گفتم که سوز آتش دل کم شود و شک
 آن سوز کم نگشت زبانم بر بسوخت - بلکه خوف آنست که مبانی امانی بقاء از خاک
 سیلان بکاو تو افرا تا ده و اشکها موصوف بصفت دگادگانا گردد و فیاض قدیر
 جل عن الشبه النظیر که مشعل ماه و نور عالم افروز مهر که منور طاق مدس سپهر است
 شب بچو ردل مجور را بروز وصل و حضور تبدیل گرداناد و ظلمت دیده خاطر مخزون
 بنور تلماتی و حضور متحول ۷ دارم امید بدین اشک چه باران دگر ۸ برق شادی
 برفت از نظرم باز آید - معلوم آن فرزند باد که جان شتاق با نامل محبت و اشتفاق
 در دل میزد که صور تقاصیل احوال اینجائی بر صفحه صحیفه مقال باز نماید لیکن پیر عقل که
 اوستاد کارخانه ابداع هست دست منع و ارتداع بر سینه جان اتباع نهاد که
 صرف عنان قلم از صوب تفصیل بجانب اجمال محض مقتضی حال هست میباید که

آن فرزند غبار طال از سر بار بال زائل گرداند که بغایت اندک المتعالم صورت است هر
 که قلم نقش بند خیال بر ورق بال میکشد در آینه حصول با جسر چه منظور است بعد از
 مخفی نماید که چون دست شفقت و محبت آن فرزند بر گریبان دل این ستمند محکم بود
 واجب دید که انجمن خیال او را بنور شمع نصیحت نفاق روشن گرداند می باید که آن
 قرۃ العین علو دعام سرور می و سمو قو اتم هتتری در رعایت لوازم امارت احاطت
 شرایط و ارکان وزارت داند تا در نظر اهل منقائل و حکم متفق افتاد به غایت اجرا
 قلم باشد بعضی از شرایط و ارکان و محاسن لوازم آن بوسیله ترجمان قلم تیز زبان
 از دج ضمیر در سبک بیان می آرد و بواقی آن متقبل و ادراک آن فرزند محمول میباشد
 و یقین داند که خلاف خیال موجب قبول نهال آنال است و مستلزم اختلاف بیانی
 جلال نفوذ بالله من عروض هذا الحال - یکے آنکه در اجتماع محاسن منقائل و استرفاع
 رایت مکارم شمائل بنوعی اتمام نماید که چنانچه ظل جامعیت عوالم بر فرق فرق سائے
 انسان محدود است که اطراف صفا حمیده سیمان جان آفرینی زلفی الحقیقت سر و شاد کما قیل

لو نر رنه لرایت الناس فی جبل والدمر فی ساعه و الا نر فی وار

تا تمام افراد اعم و در نشر محاط شسیم آن فرزند متفق الهم و متقد الکلم باشد شعر

فاها الناس کلهم لسان احذ یتلو الشاء علیک الذینافم

و دیگر آنکه در میاوی بودی طلب آرب از ملاحظه کیفیات عواقب غفل و ذایل نباشد
 و در کسب مواجیع مرام و مراد بر مطلق سلوک و الدو اجداد جعل و تفصیل قانع استقبال از
 صفحه بسید چال مشاهد کند تا کسان بادی و حاضر در مجالس محاضر محبت و شای آن
 فرزند ذکر باشند شعر یری عاقبات الرائی الرائی مقبل : کان فی الیوم عنینا علی خد
 هو التاج التالی اباه کما تلا : ابوه اباه سید او ابن سید -

و دیگر آنکه بر مقتضی اتزل الناس منار لهم هر یک از امراء و صغار و کبار و صفدران مصاف
 کارزار را بقدر حال معترض و ستال دارد و رنگ طال از کینه بال شان بمقتل اعزاز و جلالت
 بزداید شعر اذ انت منک العز فالمال بین : و کل الذی فوق التراب تاب
 و دیگر آنکه صورت عفو و سیاست تعلیم موسی فراست و گیاست در مواضع و محال
 بوجه جیل نباید شعر اذ انت اکرم الکرم کلته : و ان انت اکرم اللئیم تمردانه
 فوضع الذی فی موضع السیف بالعلی : مضر کوضع السیف فی موضع الذی -

و دیگر آنکه کسی که به بدائع و ریاضت و صنائع کفایات مستحلی باشد و دیده مردم بزرگ
 منش از و فور دانش و بیش ایشان متملی و نورسداد و صواب از پهره خطاب جواب شان
 توان دید و سر فتنه و دست شرب تیغ حدس ذهن و دقت نظر تواند برید - شعر
 فوالا نواع الفضائل جامع : و رای لا عتاب لا امور بصیر : و دش برنده نقش فتن

بدست حکم: کفش زنده حدّ تم بنوک قلم: ایشان را بصنوف مواهب و ضرب
ترقیات و اتب محظوظ دارد و وجه مآرب و مطالب ایشان را بعین قبول و حصول
محمود و اگر عارض مطیر مرعست آن را بجهت نهال وجود چنین کسانا بر شحات تربیت سبز و شاداب
نگرداند و خسار کمال شمارد و شمارش در کرگاه مصاف حسن اوصاف مجروح به نبال عیبت
عاری خواهد بود و نفوذ یافتن من عروض هذا الرسم علی و خبته الاسم -

و دیگر آنکه مردمی که دوش ایشان از کسوت کسب فضائل و ردای حسن شمائل عاری
باشد و کواکب مناقب از افق وجودشان متواری یقین اند که ایشان را در فتح مغالط
معضلات امور هیچ درایت نیست و بمصاحبت و مجالست بزرگان هیچ نسبت و اگر
نفوذ باشد بمساحت و معاونت بعضی از اشخاص بساط صحبت آن فرزند نقشب قربت ایشان
مردم گردد و خسار جالالتش لطین لسان کا بر زمان موسوم خواهد بود شعر
اصحاب خاکرم تخطی بصحبت: فالطبع کتب من کل معصوب و فالتی اخذت عاتق به
نقش من النش و الطیب من الطیب -

و دیگر آنکه بمن ایالت و دولت ریاض ناصر ملک دولت از صرصر غلیم اهل فساد و تقاول
مردم شرارت نهاد و مضمون گرداند و بوسیله این معنی عمود غلوه سعادت افزاز قبه
گردون و اند چه بر دهم هم حکام رفع خارستم از پای دل تمام احم عین فرض است

و دست تغلب ظلمه را که انجیب عمن بالاضاعه و اکابر نگاه داشتن موجب ثبات لیم العرض کا
 قال عمر بن الخطاب رضی الله عنه ما یلکم عندی اتوی من الضعیف حتی اخذ به ولا اضعف من القوی
 حتی اخذ الحق شعیر فاعدل کن من صروف الدهر متغایة فالصبر مستغنی للعدل فی عمر -
 و دیگر آنکه مواجب و رواتب و وسای حشم و اطلاق ارزاق توابع فعل و خدم بے منت فی
 و اہمال و تکسل و اہمال بروجه اتم رسانند و انیمنی را ہم اہم و اند و امرای لشکر و خواہ
 عسکر را کثرت مشاق و تکلیف بالا یطاق تنفر نگر داند - مصرع بشکستہ شود کان بکشتی
 و بنور کرم و بذل تمام درون دل خواص و عوام را منور دارد و شرط اصابت کرم و در کن
 افاضت نعم آن است کہ فیضان بذلش مانند غلام بر مطیع و عاصی و ادنی و اقاصی عام باشد
 و چہرہ افضل انعام متوسم سبت بشر و ابتسام و باوجود ظلام الحاح و ابراح انالتماس
 محرو توضع و اکرام کاشمش فی اوقات الظواہر باہر و ظاہر و امن مکرش از عذر و
 خبت و ادنی و منت مطلقاً طہر - شعیر اذا ابو حامد جادت بنامہ بلم یجد
 الابد و ان الحسد المطر - و ان اضار ہنا بشر بغیرتہ - تضادل النیرات الشمس و القمر -
 دیگر آنکہ تقدیم تدبیر کار و ترتیب مقدمات تامل و افکار بر ذمت ہمت خود لازم
 گرداند و چون تیر سرگرد در کمان تدبیر موضوع سازد و سر نیاز و خشوع بر خاک عجز و خضوع
 استوار دارد تا در آئینہ تدبیر آن فرزند جلال صورت تقدیر بنماید کہ دولت عبارت

از توافق تدبیر با تقدیر است و بعد از توفیق تدبیر مشاوری مردم پیر و جوان و زمین
پایه هستی بال در کابغیت قتال و جدال آورد شعرا را ی قبل شجاعت الشجعان -
هو اول و هی المحل الثانی : و اذا هما اجتماع النفس صرۃ و بلغت من العلیاء کل مکان -
و چون از سر راس و فرنگ قدم در میان جنگ هند تو کلاسه علی الله النصیر خزانہ
خیال از وسوسه قتل حیات و تخیل و تصور لذات و مشتهیات غالی دارد و در صدر طاق دل
جز صورت ناموس نام نگارد و عمامه جرأت و جبارت را بر هامه هست خوب من سعادت
و عین کرامت داند **هـ** بزم مردان عرصه رزم است و عشرت دار و گریز
باد و خون دشمن جام دما دم تیغ و تیر - و در مقام قرار و ثبات بکلمات مردم
ضعیف نبات خیانت سمات هیچ التفات نماید **هـ** تری الجبناء ان الجین حزم - و ملک خفیه
الطبع اللئیم - و شک نیست که نقش مات بر جبهه ذات به از گلگون بیدی بر چهره حیات
است و نزول قبر بجراحت حسام و سنان به از عروج معارج حیات مع اقتران
طعن سان اقران **هـ** و نحن اناس لا توسط بیننا - لنا الصد ردون العالمین القبر
یہون علینا فی المعالی نفوسنا - و من خطب الحسنا لم یغلب المهر - زیادت برین امواج
حروف تراکم و در لجه بحر معانی متلاطم ساخت و شمع موعظت خورشید اشراق
بر لکن الفاظ در انجمن شفاق سوخت همواره تیر فکرش از کان ضمیر بر عین غرض

اصل باد و شکر ظفر اثرش در وسط بجا نگرنا بل یمن میں بھی الخی و میل الباطل فقط

فن زراعت | خواجہ جہان کی علمی قوت صرف انشاء پر داری ہے ختم نہونی تھی بلکہ وہ علمی طور پر ایسے ایسے میدانوں میں چچی انسان کے امن آسائش و عیش و آرام کے لئے مفید ہیں بار آور ہوئی تھی۔ خواجہ جہان سجدہ دوسرے فنون کے فن باغبانی سے اچھی واقفیت رکھتا تھا۔ اوس نے موجودہ میٹو کو ترقی دی اور اعلیٰ درجہ کے امرود اور کئی قسم کے انگور لگائے اور بعض نئی چیزوں کی کاشت بھی شروع کی ہندوستان میں یہ ایک مشہور بات ہے کہ زعفران کی کاشت کے لئے خط کشمیر مخصوص ہے لیکن خواجہ جہان نے بیدر کی زرخیز زمین میں صلاحیت دیکھ کر زعفران کی کاشت کی۔ اس زمانہ میں بیدر میں کام بھی زعفران نہیں ہوتی لیکن اگر سرکار عالی توجہ کرے تو کیا عجب ہے کہ اس قیمتی چیز کی کاشت سے پہر ملک رعایا کو فائدہ پہنچنے لگے۔^(۱)

ہمدرد کی قدردانی | خواجہ جہان کی جیسی قدر کہ دربار ہمدینہ میں تھی اوسکی اعادہ کی کچھ ضرورت نہیں ہے لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سلاطین عراق و خراسان بھی اوس پر غائبانہ نظر اتفات رکھتے تھے۔ سلطان حسین مرزا بادشاہ ہرات کا شوق تو یہاں تک بڑھا کہ اوس نے مولانا سید کاظم کو جو اوس زمانہ کے مشاہیر سے تھا قندھار و لاہور کی راہ سے

اوسکی طلبی میں سفیر کر کے بھیجا مگر محمد شاہ خواجہ جہان جیسے شخص کو کہاں یہ پھرتا تھا آخر کار محمود گادوان کو سید کاظم کو مایوس واپس کرنا پڑا مگر اوسکے ہاتھ بادنشاہ ہر رات کے لئے بہت سے قیمتی تحفے بھیجے لیکن سید کاظم راہ ہی میں شیراز پہنچ کر فوت ہو گیا اسلئے اون تحایف کا بھی اوسی کے ساتھ قلمہ تمام ہوا۔

انکار ایک مرتبہ محمد آباد بیدر کے قلعہ ارک کے قصر میں خواجہ جہان محمود گادوان سے سلطان محمد شاہ کی مجلس میں بیٹا تھا کہ اتنے میں ایک گائی ڈکرانے نئی۔ حاضرین میں سے ایک شخص نے محمود گادوان سے شوخی سے دریافت کیا کہ ”اسی آصف جاہ یہ گائی کیا کہتی ہے“ خواجہ جہان نے جواب دیا کہ ”یہ کہتی ہے کہ تو تو ہم میں سے ہے سلطان کی مجلس میں کیا کرتا ہے“ محمد شاہ یہ سن کر بہت ہنسنا اور کہنے لگا کہ مجھ کو اپنے ماسبق شاہان ہمنیہ پر یہ ترجیح ہے کہ میرے دربار میں خواجہ جہان جیسا نوکر ہے جو کبھی کسی نصیب نہیں ہوا۔

خواجہ جہان کی شہادت خواجہ جہان محمود گادوان کو اپنے انجام کی خبر ایک عجیب طرح سے ہوئی تھی۔ جب اوسکو خواجہ جہان کا خطاب ملا ہے تو وہ اکثر کہا کرتا تھا کہ ”سلطان علاء الدین بن احمد شاہ ہمنی کے زمانہ میں سب سے پہلے یہ خطاب خواجہ شہر علی آسترا باوسی کو ملتا تھا جب کو چند ہی روز بعد شاہزادہ محمد خان نے قتل کیا

اوسکے بعد خواجہ جهان ترک کا نمبر آیا جس کا انجام بھی ظاہر ہے۔ پس معلوم نہیں کہ میرا
 حال کیا ہو گا۔ حیرت کی بات ہے کہ اوسکا یہ خیال بے بنیاد ثابت نہیں ہوا۔ تو
 معلوم ہو ہی چکا ہے کہ خواجہ جهان کو ایک عرصہ سے امور سلطنت میں جزو کل کا
 اختیار حاصل تھا اور گو وہ بادشاہ نہ تھا مگر علی طور پر کوئی کام اوسکے بلا مشورہ اور
 خلاف رائے ہوتا تھا۔ ایشیائی درباروں میں اگرچہ یہ مرتبہ قابل رشک
 ہے لیکن اوسکے ساتھ پرخطر بھی بہت ہے۔ جو لوگ کہ ظاہری نظر سے دیکھنے والے
 ہیں وہ تو یہ سمجھتے ہیں کہ اوس شخص سے بہتر کس شخص کی حالت ہوگی جس کے ہاتھ میں
 حکومت ہے دولت ثروت ہے جو خیال دلیں آتا ہے پیدا ہوتے ہی پورا ہو جاتا
 ہے بادشاہ اوسکے اشاروں پر چلتا ہے خلقت اوسکی حلقہ بگوش ہے۔ لیکن اگر اوس شخص
 کے دل کو چیر کر دیکھو تو معلوم ہو گا کہ وہ اکثر اوس زمانہ کو حسرت کے ساتھ یاد کیا کرتا ہے
 جبکہ وہ چاہ گمنامی میں غرق تھا اور اگر کوئی نظر اوس پر اتفاق سے پڑ جاتی تھی تو
 وہ رشک و حسد سے مغمما ہوتی تھی اور اوسکی خوشی اور بہبودی خود اوسکی کوشش کے
 منحصر تھی نہ کہ کسی کی متلون نظر کے التفات پر۔ اگر ایسا شخص تمام اقتدارات کا
 مرجع ہوتا ہے تو اوس کے ساتھ نہریے گاہوں اور بدباطن سازشوں کا ہدف بھی ہوتا ہے
 اور سیکڑوں کوششیں جنکے رخ کا پچھانا اور نوعیت کا سمجھنا دشوار ہوا اوسکی مخالف

ہوتی ہیں خواجہ جہان محمود گادوان کو جب یہ قابل رشک تہ حاصل تھا تو اس کے
 ساتھ یہ تمام اندیشہ ناک خطرے بھی پیش تھے۔ لیکن اس کی شکلین بہین ختم نہ ہوئی تھیں۔
 دکن اور مکا وطن نہ تھا۔ اس لئے وہ کثیر گروہ جو دکن کو اپنا وطن سمجھتا تھا اس کو ظاہر میں خوف
 مگر باطن میں حقارت کی نظر سے دیکھتا اور دل ہی دلیں سمجھتا تھا کہ وہ اس کے حقوق
 کا غاصب و مختاری کو خاک میں ملانے والا ہے۔ اگر حقیقی نظر سے دیکھا جائے تو
 محمود گادوان نے اپنے طرز عمل سے پوری طرح پر ثابت کر دیا تھا کہ وہ ملک کا دلی
 خیر خواہ اور اہل ملک کا سچا بھروسہ ہے۔ لیکن ایسی حق پرست نظریں ملک میں
 کتنی ہوتی ہیں اور جو ہوتی ہیں کیا ان کو ناقص جذبات جنمیں ہوس دنیا اور خدا کا
 خمیر ہوتا ہے خیرہ نہیں کر دیتے۔ حدود و بلاے بے درمان وہ غول بیابانی
 ہے کہ جس آنکھ سے اس کی زہر آلود آنکھیں مقابل ہوتی ہیں اس کو ہمیشہ کے لئے
 اندھا کر دیتی ہیں اور جس کان میں اس کی حق ناشناس آواز اپنا اثر کر جاتی ہے پہر
 اس میں کسی دوسری آواز کے جانکی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اس سب پر
 یہ مستبراد تھا کہ خواجہ جہان نہ صرف آفاقی اور بادشاہ کا معتد خاص تھا بلکہ رفاہ
 بھی تھا۔ بد قسمتی سے اس کی رائے میں خواہ صحیح ہو یا غلط ملک کی حالت محتاج
 اصلاح تھی اور اصلاح بھی ایسی جس سے ذی اقتدار لوگوں کا اقتدار گہٹے حاصل نہ

حوصلہ پست ہوں اور شورہ پستی کا دروازہ ہمیشہ کے لئے بند ہو جائے اور یہ غضب
 ہو کہ بادشاہ او سکی سنتا تھا اور اسوجہ سے جو کچھ اور کا خیال تھا پورا بھی ہو گیا
 اس آخری گھونٹ کے مقابلہ میں تو پہلے سب گھونٹ گودہ بھی تلخی میں کم نہ
 آئے کہ شرکا حکم رکھتے تھے۔ یہ ایسا زخم تھا کہ جب کے اندام کی کوئی صورت ہی نظر
 نہ آتی تھی۔ قاعدہ ہے کہ ایک روشن پر چلنے کی عادی طبیعتیں کچھ ایسے خود غرا
 کے عالم میں غرق ہو جاتی ہیں کہ اپنے طرف سے تو کبھی اصلاح کے خیال کو دہین
 آنے ہی نہیں دیتیں اور اگر کوئی دوسرا شخص ایسا خیال دلاتا ہے تو اسکی
 ضرورت نہ تو تسلیم نہیں کریں لیکن سب اسکا کچھ اثر نہیں ہوتا اور وہ خیال ^{مستقیم}
 کے درجہ کو پہنچ جاتا ہے تو اسکا شککہ اور قی ہیں اور جب یہ دبا بھی جاتی
 اور وہ خیال تخیل کے درجہ سے آگے بڑھ کر عملی قالب میں جلوہ گر ہوتا ہے تو
 خدایق کو اس کے مفروضہ قبیح نتائج سے ڈراتی ہیں جب یہ کوشش بھی کارگر
 نہیں ہوتی تو تمام عقدہ و مایوسی کا وبال اس بد قسمت شخص کے سر پر ٹوٹ
 پڑتا ہے جس سے بظاہر وہ اصلاح منسوب ہوتی ہے اگرچہ یہی اصلاح حق کو یہ مایہ
 طے کرنی پڑتی ہیں لیکن جن سے کسی حاصل شدہ حق پر اثر پڑتا ہے اسکی تو بڑی ہی
 مشکل ہے۔ بالینکس کا یہ ایک مسئلہ اصول ہے کہ کسی حاصل شدہ حق میں درست انداز

کر کے کامیابی کی امید رکھنا سادہ لوحی پر دلالت کرتا ہے اور اسوجہ سے دور اندیش مہربان اس خطرناک میدان میں قدم رکھتے ہیں تو آہستہ آہستہ ایسی جال چلتے ہیں کہ کیسے محسوس نہ ہو۔

خاجہ جہان محمود گادان نے جراحہ صحن کین اونکا میدان یہ ضرورتہا کہ بادشاہی کچھ مست قوی اور امر کے ہاتھ کمزور ہوں بہت سے لوگ تو اس سے اسوجہ سے ناراض ہوئے کہ اون کے اختیارات کا خاتمہ ہو گیا اور بہت سے لوگ جو نقاب سے فائدہ اٹھانے کی امید میں بیٹھے ہوئے تھے وہ اپنی آرزو نہیں پائیں ہو کر اس کے دشمن بن گئے۔ لیکن جو شخص کہ ان اصلاحوں سے سب سے زیادہ ناراض ہوا وہ اسکا قدیمی دست گرفتہ ملک حسن نظام الملک بھی تھا۔ خاجہ جہان کی اصلاحوں سے پیشتر نظام الملک صوبہ تلنگانہ کا طرفدار تھا لیکن جب خاجہ جہان نے تلنگانہ کو دو صوبوں میں تقسیم کیا تو راجہ مندری کا سرحدی صوبہ نظام الملک کے تفویض ہوا اور راجہ کا طرفدار اعظم خان بنایا گیا۔ نظام الملک کو یہ نہایت ہی شاق گذرا اور اسکا اس سے اور بھی بڑھ گیا کہ خاجہ جہان نے جو قوت کے منتشر رکھنے کے فواید سے بخوبی واقف تھا اس کے بیٹے ملک احمد کو ہوشیار و حوصلہ مند پاکر باپ سے علمدہ کر دیا اور سہ صدی منصب دیکر صوبہ ماہور میں خداوند خان جیشی کے تحت میں جاگیر دی۔

نظام الملک بھی ایک تربیت یافتہ درباری تھا اوس نے یہ حالت دیکھ کر محمد شاہ سے
 عرض کیا کہ خانہ زاد حضور اقدس اعلیٰ کے قدم مہینت لزوم سے جدا ہونا نہیں
 چاہتا سرحدی مہتموں کے سر کرنے کے لئے بندہ زادہ کافی ہے غلام اپنی
 طرف سے اوسکو راجمذری کی سرشکری پر مقرر کروں گا بادشاہ نے بھی اس بات کو
 معقول سمجھ کر پسند کیا اور خواجہ جہان کو بھی سوائے تعمیل کے چارہ نہوا۔ رنجش کی
 ابتدا تو یہی تھی لیکن امتداد زمانہ کے ساتھ وہ بھی بڑھتی گئی۔ نظام الملک جراثیمی
 درباروں کا پرورش یافتہ تھا پولیٹکل سازشوں کے پوشیدہ راز اوس سے پہنانہ تھے
 اوس نے ظریف الملک دکنی اور مفتاح حبشی سے جو بادشاہ کے مقرب تھے اتحاد پیدا
 کیا اور انہوں نے ایک رائی ہو کر غلامان شاہی کو جنیباد شاہ کا خاص التفات تھا ملایا اور
 اوسکو سمجھا دیا کہ وہ کبھی کبھی موقع پیدا کر کے خواجہ جہان کی شکایت کرتے رہیں جب تک کہ
 خواجہ جہان اور یوسف عادل خان جسکو اوس نے تین دنے کیا تھا بادشاہ کے قریب سے
 اوس وقت تک تو کسی سازش نے اثر نہ کیا لیکن جب یوسف عادل خان کو بادشاہ نے
 ہم بیگانہ پر بھیج دیا اوس وقت سازشوں کی خوب بن پڑی۔ ان لوگوں نے پہلے چال
 کی کہ خواجہ جہان کے ایک غلام سے جسکے پاس اوسکی ہر رہتی تھی دوستی پیدا کی
 اور زروجاہرا وہ قسم قسم کے عمدہ عمدہ گھوڑے دیکر اوسکو اپنا شرمندہ احسان

بنایا۔ ایک زطریف الملک اور مفتاح حبشی نے مجلس شراب گرم کی اور اشارت
 محبت میں ایک کاغذ نکال کر کہنے لگے کہ یہ ہمارے فلان دوست کی برائت ہے
 اکثر عہدہ داران دیوانی کی قہرین اور سپر شبت بین اگر خواجہ جهان کی بھی مہربانی
 تو کیا اچھا ہونا غلام تو پہلے ہی سے مدہوش تھا اوس نے بلا اسکے کہ پورا کاغذ
 کہہ کر دیکھ یا پڑھے جس مقام پر ظریف الملک نے بتایا بے تکلف مہر لگا دی اور
 کتبخت یہ نہ سمجھا کہ یہ برائت نہیں ہے بلکہ اوس آقا کا پروا نہ اہل ہے جو اسکو
 اولاد سے زیادہ عزیز رکھتا تھا۔ ظریف الملک اور مفتاح حبشی نے جب دیکھا
 کہ چال سلگئی تو دوڑے ہوئے ملک حسن نظام الملک بھری کے پاس گئے اور اسکو
 مشورہ سے اوس کاغذ سادہ کو خواجہ جهان کی طرف سے مندرجہ ذیل مضمون
 اسے اُڑیے^(۱) کے نام لکھ کر رو سیاہ کیا۔

”محمد شاہ کی شراب خاری اور ظلم نے ہم سب کو اس سے بدول کر دیا ہے
 اور آپ کی ادنیٰ توجہ میں دکن کی فتح ممکن ہے کیونکہ سرحد پر کوئی ہوشیار افسر
 موجود نہیں ہے جو وقت آپ بخوف و خطر اپنے لشکر کے ساتھ مملکت دکن میں

(۱) تاثر برہانی میں راجہ بیجا گوج ہے۔ مگر یہ خلاف قیاس ہے اس لئے کہ راجہ بیجا گوج کے مقابلہ میں
 اس زمانہ میں خود یوسف عادل خان موجود تھا حالانکہ خط میں یہ دج ہے کہ سرحد پر کوئی ہوشیار
 افسر موجود نہیں ہے۔

داخل ہو جائیگی تو چونکہ اکثر امراء میرے کہنے سے باہر نہیں بنیں میں بھی ہر طرف سے مخالفت کھڑے کر دوں گا اور بادشاہ کو نکال باہر کر دینے کے بعد حکومت دکن کو آپس میں تقسیم کر لینگے۔“

جب یہ کارستانی ہو چکی تو ظریف الملک اور مفتاح خاں ایسے وقت حاضر ہوا ہوئے کہ جو وقت ملک حسن نظام الملک بحری باریاب تھا اور انہوں نے موقع پا کر اُس پر قریب مرسلہ کو بادشاہ کی نظر سے گزانا۔ سلطان محمد شاہ خواجہ کی مہر پہچانتا تھا وہ اسکو دیکھ کر بہت ہی پریشان ہوا اور ملک حسن نظام الملک بحری فرصت کو غنیمت سمجھ کر ایسی ایسی موش باتیں کہیں کہ جسے بادشاہ کی آتش غضب اور بھی مشتعل ہوئی اور اسکی نظر اتفاقات کا وہ باریک ڈورا جو خواجہ جہان کا رشتہ حیات تھا منقطع ہو گیا۔ اسوقت کوئی ایسا شخص بھی موجود نہ تھا جو بادشاہ کے غصہ کو ٹھنڈا کرتا۔ خواجہ جہان کی قدیم قدردان ملکہ مخدومہ جہان پہلے ہی سے ملکہ عزمین فوت ہو چکی تھی اور اس عالیشان مقبرہ میں بخیر سو رہی تھی جو اب تک موجود ہے^(۱) یوسف عادل خان اور دوسرے امراء آفاقی جو خواجہ جہان کے دوست اور بادشاہ رس تھے ہم بھی انگر پرتھے۔ غرض کہ بادشاہ نے برہم ہو کر بلا سوچے سمجھے

(۱) یہ مقبرہ اصل گنبد بہشت مربع ہے جسکا ہر ضلع پندرہ گز اور اقلعہ پچیس گز ہے۔ تاج بید معنفہ اسد اللہ شاہ صاحب مین درج ہے کہ اسکی تھاری مین قرینا چار لاکھ روپیہ صرف ہوا تھا۔ اخبار الاخبار۔

اور بغیر کسی قسم کی تحقیقات کئے خواجہ بہان کو طلب کیا خواجہ بہان کے رفیق بھی
 جبر نہ تھے انہوں نے خواجہ بہان پر قیادت کا اظہار کر کے منسوب دیا کہ آپ آج توند
 کے لئے نہ جانیں بلکہ ہوتے ٹال دین لیکن خواجہ بہان اپنی بیگناہی کے نشہ میں
 ایسا چوتھا کہ اوس نے کیسی بات ہی نہ سنی اور یہ شعر بواوس زمانہ میں اکثر
 در زبان رہتا تھا پڑھا۔ **۵** چون شہید عشق دردینا و عقبی اسر خروست
 خوشدمی باشد کہ مار کشتہ زین میدان برند۔ اور جوش میں آکر کہنے لگا کہ یہ بال
 جو محمد شاہ کے باپ ہمایون شاہ کی خدمت گزاری میں سفید ہوئے ہیں اگر محمد شاہ
 کی بدولت خون کے خضاب سے رنگین ہوں تو موجب سرغزوی ہے۔ میرے
 کئے سے کیا ہوتا ہے جو قسمت میں لکھا ہے وہ ہر حال میں پیش آئیگا۔
 چند بڑے بڑے اُمراء نے جو خواجہ بہان کے رفیق تھے کہلا بھیجا کہ حالت گرگ
 ہے ہزار سوار موجود ہیں اگر آنجناب گجرات کا قصد فرمائیں تو ہمراہ رکاب
 چلنے کو ہم بھی حاضر ہیں مگر خواجہ بہان کو یہ کب باور آسکتا تھا کہ بادشاہ دم بھر
 میں اسکی تمام عمر کی خدمات و وفاداری کو بھول جائیگا اور اگر باور آیا تو اس نے
 اب آخری وقت میں جان چھپا کر ہلا گئے کو اپنے شان کے خلاف سمجھا اس لئے
 اوس نے اوکو جواب میں کہلا بھیجا کہ مجھکو اس سرکار ابد پائدار کی خدمت میں

برسوں گزر گئے اور اوسکے زیر سایہ ایک عمر سے بعیش و عشرت زندگی بسر کر رہا ہوں
 کبھی مجھ سے کوئی خطا ظہور میں نہیں آئی یہ کب ممکن ہے کہ بادشاہ فقط میرے دشمنوں
 کی تہمت باندھنے پر بلا تحقیقات دریافت میری دغا بازی کا یقین کر لے اور بالفرض اگر
 اوس نے ایسا کیا بھی تو اوس کے غصہ کو برداشت کرنا اس آخری وقت میں نیکوئی
 کرنے پر ہزار درجہ ترجیح رکھتا ہے۔ یہ کہہ کر اوسی وقت سلطان محمد شاہ کی
 خدمت میں حاضر ہو گیا۔ محمد شاہ نے دیکھتے ہی دریافت کیا کہ ”اگر کوئی شخص اپنے
 آقا کے ساتھ نیک حرامی کرے اور یہ امر پائے ثبوت کو پہنچ جائے تو اوسکی
 کیا سزا ہے“ خواجہ جہان نے نہایت اطمینان سے جواب دیا کہ ”اگر پائے
 ثبوت کو پہنچ جائے تو ایسے بد بخت کی سزا سوائے شمشیر ابدار کے کیا ہوگی“
 یہ سن کر بادشاہ نے خواجہ جہان کو وہ خط دکھایا۔ خواجہ جہان نے دیکھ کر آیت
 ”سبحانک ہذا بہتان عظیم“ پڑھ کر کہا کہ ”میری ہنر تو بیشک ہے مگر خط میرا
 نہیں ہے“ اور اپنی بیگناہی پر حلف اٹھایا۔ مگر بادشاہ تو پہلے ہی سے شراب
 سے بدست اور غصہ میں بہرا بیٹھا تھا اوس کے دل پر ایسی باتوں کا کیا اثر ہوتا تھا
 آخر کار اوس نے اپنے غلام جو ہر نامی کو خواجہ جہان کے قتل کا حکم دیا اور
 خود اوٹھ کر محلِ سدا کی طرف چلا۔ خواجہ جہان سے اب تو نہ رہا گیا اوس نے

سلطان سے مخاطب ہو کر کہا کہ میں تو عمر طبعی کو پہنچ چکا ہوں اگر آج قتل ہوا تو
 کل اپنی موت مر باؤنگھا مگر میرا قتل ملک کی نراہی اور صفو کی بدنامی کا موجب ہے
 مہنشاہ نے اسکا کچھ جواب نہ دیا اور سیدھا محل میں گھسا ہوا چلا گیا۔ خواجہ جہان
 کے دلیر بادشاہ کی احسان فراموشی ناشی کا خواہ کچھ ہی اثر ہوا ہو لیکن اسکا
 جاتے ہی دوزخ اور عقوبت کے کلمہ لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھا جو ہر غلام تو شاہ
 ہی کا منتظر تھا اوس نے ادھر تو بادشاہ گیا اور دوسرے خلاف سے تھوڑا لگا کر لہندگی اور
 جب اس کے خون کی پیاسی چمک خواجہ جہان کو محسوس ہوئی تو ”الحمد للہ علی نعمۃ الشہادۃ“
 زبان سے بے اختیار نکلا اور ابھی یہ کلمہ ختم ہوا تھا کہ وار اپنا کام کر گیا اور دوسرے
 حکومت سے بادشاہ پر نثار ہوئی کی متنا تھی گردن سے جدا ہو کر زمین پر گر گیا۔
 یہ ایسی خوشگوار موت تھی جسکی ہر مسلمان کو متنا ہوتی ہے اور خواجہ جہان کے لئے
 تو اسے ابھی و پسند تھی کہ اوس نے پیری و مدعیب کا ایک منٹ میں فیصلہ کر دیا
 اِنَّا لِلّٰہِ وَاِنَّا اِلَیْہِ رَاجِعُوْنَ۔ یہ واقعہ جانکاہ کنڈ پور پٹی میں خپسم ماہ صفر ۱۰۷۷ھ
 مطابق ۱۴ اپریل ۱۶۸۱ء کو ہوا اور اوس وقت اسکی عمر ۷۷ سال کی تھی یہ عجیب
 بات ہے کہ خواجہ جہان نے مرنے سے دس برس پہلے مہنشاہ کی بیچ میں
 ایک قصیدہ کہا تھا جسکے دو اشعار یہ ہیں۔

ہیکل زحر زسیفی وانگہ ہراس ایل	شہ شکل ضرب تیغ بردوش جان ایل
آرے بعد من شد آب حیات قاتل	تیغ تو آب حیوان مردم حسرت آن

لکھنؤ عبدالکریم نے اس کی شہادت کی نسبت دو قطعہ تاریخ کہے جو ذیل میں ہیں

قطعہ

کہ عالم راز جو دش بود رونق	شہید بیگنہ مخدوم مطلق
فر و خان قصہ قتل بنا حق	وگر خرابی تو تاریخ دفاتر

قطعہ ثانی

بیگنہ محمود گاو ان شد شہید	سال فخر گر کے پرسد بگوی
----------------------------	-------------------------

اور سامی نے جو اوس کا ندیم اور غلام تھا یہ تاریخ کہی -

قطعہ

در دل نبود میکرو پیستہ جان سپاری	چون خواجه بہان راہر گزرا خوار
تاریخ کشتن او جواز حلال خواری	گشت او شہید مغفوری سامی تحقیق

محمد شاہ کا غصہ محمود گاو ان کی شہادت ہی پر ٹھنڈا نہیں ہوا بلکہ تمام لشکر
میں سادی کر دی کہ جو شخص چاہے سو اسے ہاتھی گھوڑوں اور اسباب فساد کے
خواجه بہان کے مال کو لوٹے۔ یہ سنکر جو امیر خواجه بہان کے تابع تھے وہ بھی

ہمارے گھر۔ یہ ہو گئے مگر اتنے ہی میں خبر ہو گئی کہ بادشاہ اودن کے بھی قتل کی فکر
 میں ہے۔ اس لئے وہ اب فوراً منتشر ہو گئے اور اودن سے اکثر یوسف و دھان
 کے پاس چلے گئے اور لشکری اور بازاریوں نے جو خواجہ جہان کی زندگی میں اودن کے
 ساتھ سیر کیا تھا اور اس کی بی بی سے پرورش پاتے تھے موقع پا کر دم بھر میں
 اودن کے تمام مال و اسباب کو خاک میں ملا دیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ خواجہ جہان کو
 رعایا میں ایسی ہر دل غیزی کا درجہ حاصل تھا کہ قہر شاہ نے خواجہ کے قتل کے بعد
 ایک طویل طویل فرمان جاری کیا جس میں بہت تفصیل سے اودن کے قتل کی وجہ لکھی
 تاکہ رعایا بادشاہ پر الزام نہ لگاسے^(۱)۔ جب بادشاہ نے خواجہ جہان کے
 نوکر و نو کو بلا کر روپیہ کی طعین میں خواجہ جہان کا اندوختہ بنانے کے لئے اودن پر قسم
 کی سختی کی تو معلوم ہوا کہ اودن کے خزانہ میں صرف تین سو لاری^(۲) موجود ہیں اور سوا
 ساڑھے تین ہزار کتابوں کے جو طالب علموں کے لئے وقف ہیں کچھ نہیں ہے
 اور یہ کہ خواجہ جہان اپنی زندگی اس طرح بسر کرتا تھا جس طرح کہ اہل اللہ کرتے ہیں یہ سن کر
 بادشاہ کی آنکھیں کھلیں اور اودن کو معلوم ہوا کہ اودن کے حق شناس ہاتھوں نے

(۱) کاؤڈیانی۔

(۲) لاری ایک قدیم چاندی کا سکہ ہے جو ۵۰ روپے کے برابر ہوتا ہے۔

ایسی جان لی ہے جو صاحب جان سے زیادہ خود اس کے حق میں مفید تھی مگر اب کیا ہوتا
 تھا۔ وہ قیمتی جان جو ایک دفعہ کالبد خاکی سے جدا ہو چکی تھی واپس آسکتی تھی لیکن بادشاہ
 پھر بھی اتنا کیا کہ خواجہ جهان کا تابوت باغ ازاد کر ام محمد بابا و بیدر کو روانہ کیا اور تیسرے
 روز تمام امرار و ارکان دولت کو بہر اہی شاہزادہ محمود خان خواجہ جهان کی زیارت
 میں بھیجا خواجہ جهان محمود گادان ایک پختہ تالاب کے پاس جو اس نے رفاہِ خلایق کی
 غرض سے بنوایا تھا دفن ہوا اور ایک عالیشان مقبرہ جو اس کے متوسلین و معتقدین
 نے تعمیر کیا تھا آج تک موجود ہے۔ جو ہر غلام کی خوشخوار تلواری کا دار خواجہ جهان
 کی گرون پر نہ پڑا تھا بلکہ سلطنتِ ہمنیہ کے استحکام کی جڑ پر ٹھاتا یہ خواجہ جهان ہی
 کے مضبوط قدم تھے جو تنہ و فساد اور مخالف و لولون کی شرانگیزی کو ایسا دبا ہوئے
 تھے کہ ہل نہ سکتی تھی اور جب بیجان ہو کر قبر کی جی بٹھا دینے والی تالیکی میں غائب
 تو ہر طرف شورش برپا ہو گئی۔ کسی بڑے شخص کا ذی اقتدار ہونا جس قدر کہ ملک کے
 حق میں مفید ہے اویس قدر مضر بھی ہے۔ ایشیائی حکومتوں میں جهان شخصی رائے و
 تدبیر بکچھ ہے زیر دست حکومت اور طوائف الملوکی میں صرف دو چار ہی کام
 فاصلہ ہوتا ہے۔ جب تک ایک زیر دست ہاتھ موجود رہتا ہے اس وقت تک
 سب غافل اجزاء ایک ذات معلوم ہوتے ہیں لیکن اگر بادشاہ خود بیچ اور نافذ ^{سین}

اور اس بڑے شخص نے اپنا سچا یا نشین پھوڑا اور چھوڑنا اس کے اختیار میں بھی نہیں ہوتا تو تمام اجراء پریشان اور قدیم مخالفین زور و شور کے ساتھ نمودار ہو جاتی ہیں جو انجام خلافت بنی امیہ کا اندس میں حاجب المنصور کے مرتبہ کے بعد ہوا وہی کیفیت دکن میں بھی خواجہ جہان کی شہادت - کے بعد سلطنت ہند کی ہوئی -

خواجہ جہان کی آنکھ بند ہوتی ہی ذی اقتدار الوالغرم لوگوں کے خود غرض حوصلے مخالفت کی شکل میں نمودار ہوئے اور چونکہ سب کے سامنے خود گادان کی عمر بھر کی وفاداری و خدمتگزاری کا صلہ موجود تھا اس لئے ہر شخص نے خیر خواہی سلطنت سے قطع نظر کر کے اپنی یہودی کو مقدم سمجھا جتنا خیر راست اپنی سلطنت میں کا ڈیڑھ سہ برس کی زبردست حکومت کے بعد خاتمہ ہوا اس کی طرح اس کے خاک سے پانچ آزاد خود مختار ریاستیں نکلتی تھیں۔ لیکن سلطنت ہند کے خاتمہ کے ساتھ ہی اس مختصر کتاب کا بھی خاتمہ ہے فقط



